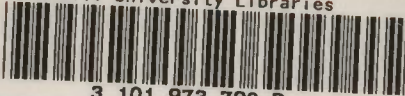


McGill University Libraries



3 101 973 798 D



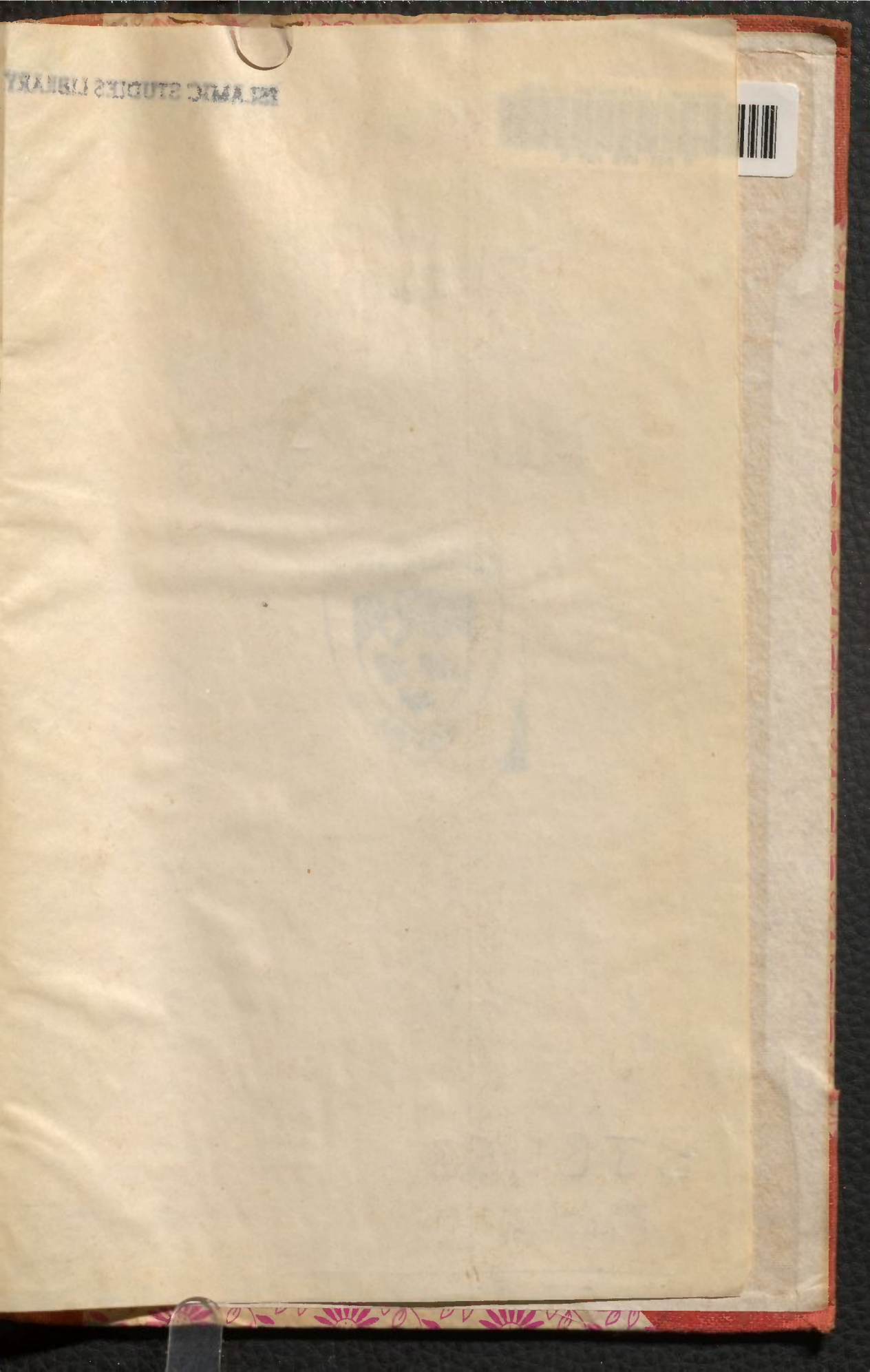
"Shah

Fikr-i bāligh

BTB1153

islām

THE AMERICAN STUDIES LIBRARY



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

یہ سچ ہوتا ہے کہ کیا تھا کچھ نہ تھا لیکن تمہارا تھا
نہ سمجھا تم نے او باریک بیویا ت موٹی تھی
شاد

فکر بلوغ

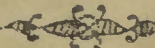
تصنیف

فخر الادیاء و تاج الشعراء، خان بہادر علامہ سید علی محمد شاد مرحوم

رئیس عظیم آباد

بفرمایش

جناب مولانا عبدالحمید صاحب عظیم آبادی تلمیذ حضرت مولانا مرحوم



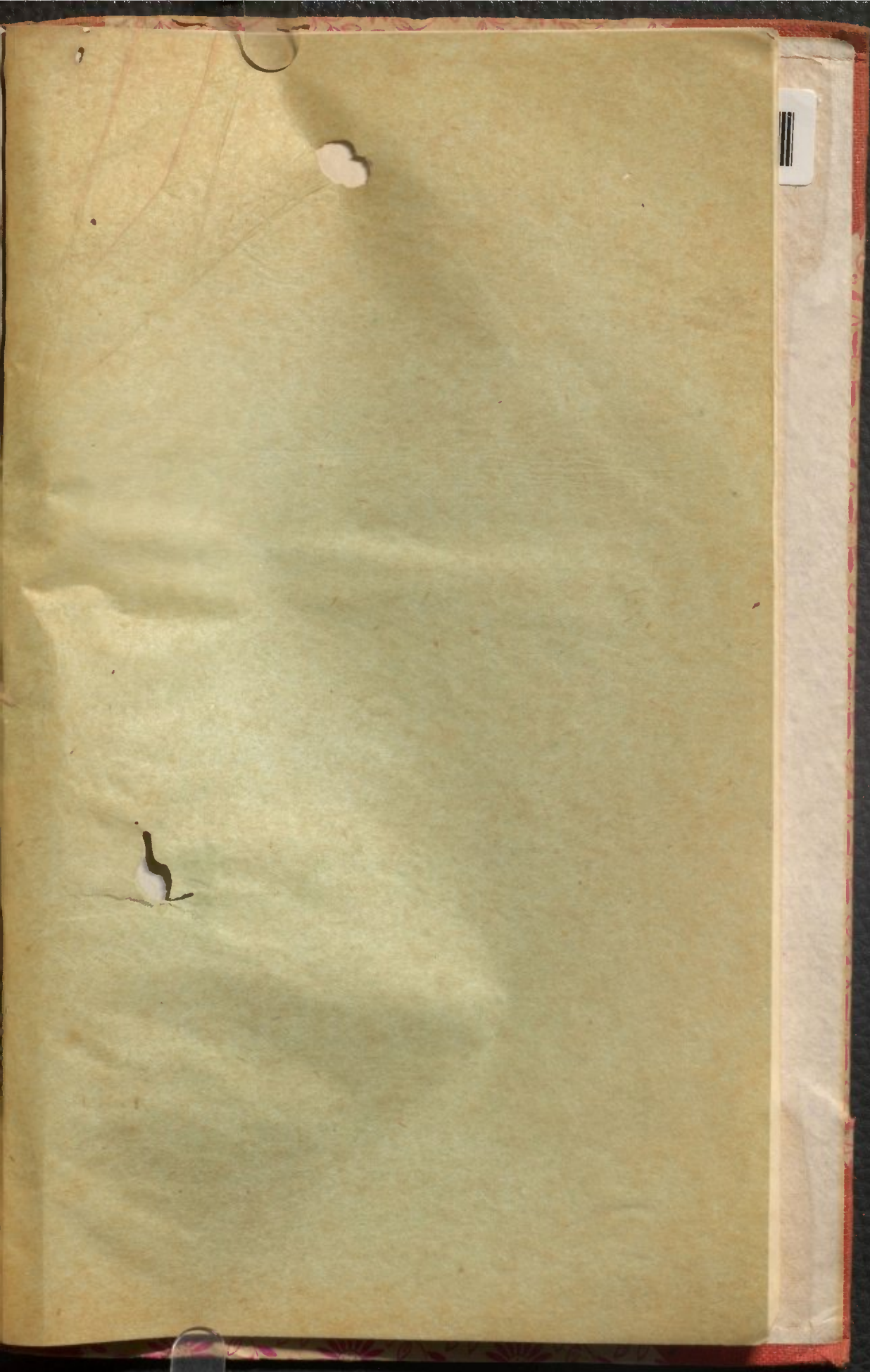
بাহتمام

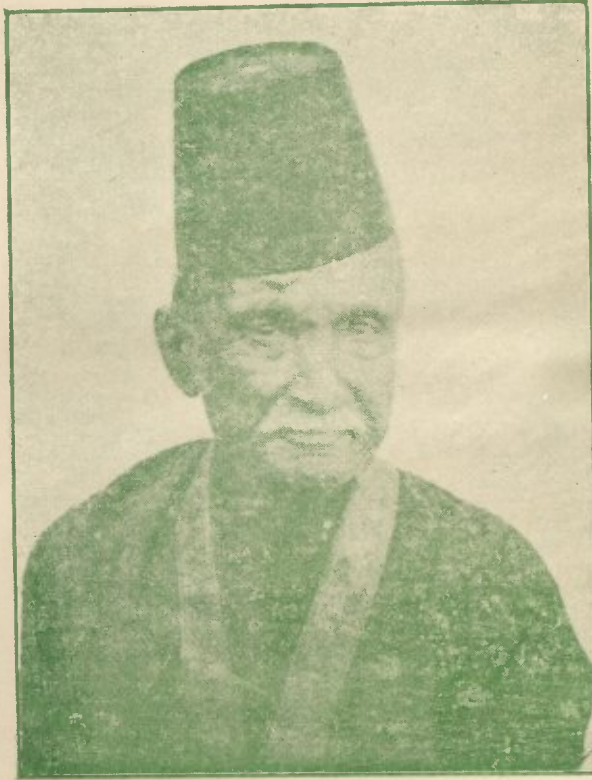
شیخ بابا الدین احمد بخورد

در مطبع سلیمانی پٹنہ مطبعی طبع گردید

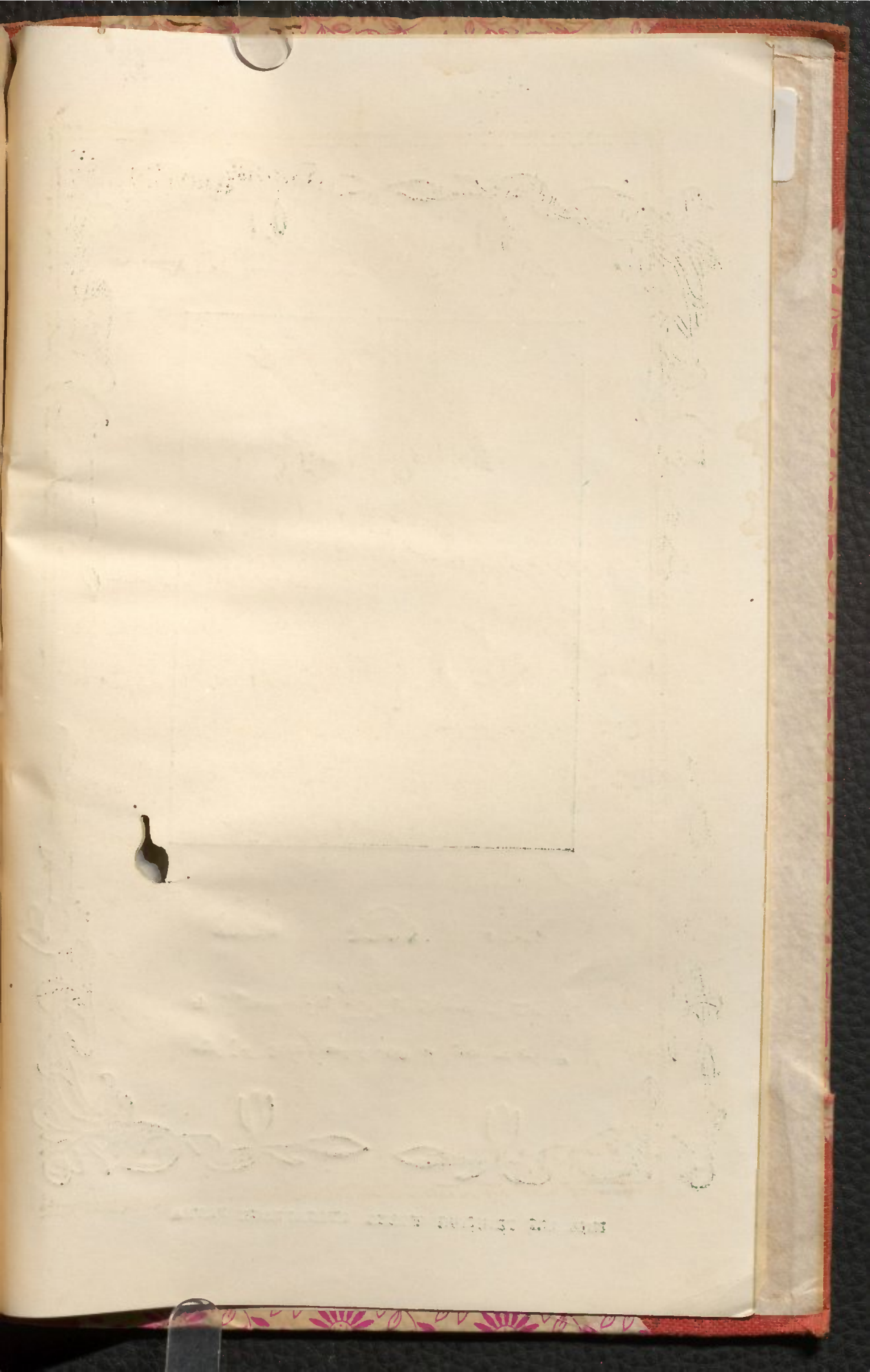
ارٹو و فارسی و اردو و ہندی و عربی و انگریزی و فرانسیسی - اکھنڈ
اور مولانا بابا الدین احمد بخورد

BJB1153
Islam





طوبى للعمى يومئذ ما يشقى
مگر اس پردہ نصیبیو میں ہم وقت حاضر ہے



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
مُحَمَّدٌ كَذُوْا نَضَلَّ عَلٰی السُّوْلِ اَللّٰهُمَّ

عرض حال

منظور ہی گزارش احوال واقعی
اپنا بیان حسن طبیعت نہیں مجھے
نہ مجھے اتنی استعداد کہ ایسی نادر تصنیف کے متعلق کچھ تحریر کر سکوں اور نہ
چنداں ضرورت کہ ناظرین کو فضول تکلیف دوں جس باکمال کی یہ
تصنیف ہو نہ وہ محتاج تعارف ہو اور نہ خود یہ تصنیف اس کی محتاج کہ ارباب فن
سے اس کا تعارف کرایا جا۔ عرصہ سے اس کتاب کی شہرت ہو اور شائقین
مشاق کہ کسی طرح تصنیف شائع ہو جا۔ اس کم مایہ پھیرنے نے ہر طرح کوششیں
کیں اور سوچ کا بھی کوئی دقیقہ اٹھانہ رکھا لیکن جب بحال امید بارہ
ہو تا نظر یہ اور استاد مرحوم کے انتقال کو بھی دو سال گزر گئے تو یک بیک
خیال ہوا کہ اس لیت و لعل میں جہاں اور تصنیفیں پڑی ہیں یہ بھی اسی
طرح معرض التوا میں پڑی رہ جائے گی۔ لہذا بہتر یہی ہے کہ میں خود اپنی
ہمت کے سہارے کھڑا ہو جاؤں اور جس طرح ممکن ہو اپنے اس اہم فرض
سے بسکدوش ہونے کی سعی کروں۔
بالآخر حیرت میں نے دیکھا کہ قوم تو قوم حضرت شاد مرحوم کے خاص

اجنباب بھی اس طرف کوئی توجہ نہیں فرماتے تو میں نے محترمی جناب سید خاں صاحب
 زاد لطفہ خلف استاذی خان بہادر سید علی محمد شاد رحمہ سے گزارش کی کہ اگر آپ
 اجازت دیں تو میں اپنی اس کم بضاعتی پر بھی اس کتاب کی اشاعت میں ہاتھ
 ڈالوں۔ جناب موصوف نے طیب خاطر فوراً کتاب (فکر بلوغ) میرے حوالہ کر دی
 (جس کے لئے میں ان کا تہ دل سے شکریہ گزار رہوں)

استاد مرحوم کے انتقال کے بعد جناب موصوف نے ان کی تمام تصنیفوں کو نہایت
 احتیاط کے ساتھ محفوظ رکھا اور ہر روز وہ تمام تصنیفیں محفوظ ہیں جو حضرات سید صاحب
 موصوف پر یہ لازم رکھتے ہیں کہ کتابوں کی اشاعت میں ایک گونہ ان کی وجہ سے
 بھی تاخیر ہو رہی ہے تو میں ان کے قول کو محض لغو بیانی پر محمول کرتا ہوں۔ یوں
 قوم خود نہ چھپوانا چاہے تو یہ دوسری بات ہے لیکن کسی پر غلط الزام عائد کرنا
 ہرگز مناسب نہیں بلکہ سید صاحب موصوف نے جس قدر ان تصنیفوں کی اشاعت کے متعلق
 کوششیں کی ہیں وہ بجائے خود قابلِ داد ہیں۔

الحاصل میں اپنے اہل شہر کی توجہ بالخصوص اس امر کی طرف توجہ دل کرانا
 چاہتا ہوں کہ جہاں اس ناچیز نے اس کتاب کی اشاعت کے احراجات
 اپنے ذمہ لے لئے ہیں میرے بزرگانِ وطن بھی کم از کم دیوان ہی کی اشاعت
 میں کافی حصہ لیکر مرحوم کی ادبی خدمتوں کا کچھ معاوضہ ادا کریں۔
 یہی کہ وقت عزیز چھو یا دلوں میں تخم کون بویا بتاؤ ہر جرم شاد کا کیا زمانہ کیوں قہر خفا ہے
 خاکپائے حضرت شاد رحمہ
 حمید عظیم آبادی

{ ۳ شعبان المعظم ۱۳۷۷ھ }

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یا مَنْ یَقْبَلُ الِیْسِیْرَ وَ یَعْفُو عَنِ الْکَبِیْرِ اِقْبَلْ مِنِّی الِیْسِیْرَ وَ اعْفُو عَنِ الْکَبِیْرِ
 ای تھوڑی سی (نیکیوں کے) قبول کر نیوالے اور بہت سی (خطاؤں کو) بخش دینے والے
 میری تھوڑی سی نیکی (اگر ہو) تو اسے قبول کرے اور میرے بہت گناہ بخش دے۔
 یہ چند اشعار بطور مثنوی کے مشتمل ہیں انہیں اس کا منت و شرم ساری بدگام
 باری تعالیٰ اور ان نصحائے کے بیان پر جو بہ ضمن اصلاح راقم حضرت
 فخر الکلام مولائی و استاذی جناب مولانا قریب علیہ الرحمہ نے راقم کو
 فرمائے تھے جس کے آخر میں حقیقت حال کو صاف ظاہر کر دیا ہے لہذا رقمہ
 تجھی کو نزع میں پوچھائے خموشوں نے اخیر وقت جب آیا پیچھے نہ راز ان کے

کریما بردرت سر بر نہادہ	مگکھے جانب عباس زادہ
بآمد منفعل بادست خالی	چہ سازد اندریں سیراہ سالی
بفکر شاعری عمرے بسر کرد	ستم بر پیش اہل نظر کرد
بمانا این دروغ بے فروغ ست	بہ آہ ہمیں یک خوردہ دو سکت
بگویش آکسچو ان خود شکستہ	زخارا میں چین گلہ ستہ بستہ
ز نظم و نثر دفتر ہا سبہ کرد	بسر زد با تا مل چوں نگہ کرد
تقو بر این ہمہ بے صرفہ گفتن	شہہ را صورت گو بسفین
سگاپو در پیش کردہ دوی سال	سین عمر من ہشتاد فی مجال
ازیں ناگفتنی ہا شرم مارم	ز در گاہت مہد عفو دارم
وے چوں نیتیم باخیر حقیقت ست	ازیں نیکی بزاید ہر گہ گفت ست

۱۵ نام پدر مصنف عباس میرزا ست :

نظر بر کار من یارب مفرمانے
عقوبت گزینی شائسته آن
مراقب سی نفس درینہ استاد
ایسے بے نظر و کامل لفظ
فلاطون دانستے بیش فرزانے
چو خسرو شاہ اقلیم بلاغت
نسب نازش کناں بزوات پاش
گلے از گلشن موسی کاظم
در آئین طریقت شیخ کامل
بدرویشی امارت کرده منظم
تصوف را پس از خیل متساں
ولے کو نیست نمایان تصوف
تصوف آنکہ بانیش علی بود
کلام صوفیان حق چو نیکو است
دگر کو رست او اندر میانہ
رخسں ذات آن عاشق خریدار
بہستی گو رہی مخانہ پویند
گنڈازد زلف و گراز رخ حکایت
بمن فرمود کامی فرزانه فرزند
کمالت زنده ساز نام فریاد
نہ آید چوں تو کامل فن توانی

بہ نیکانت کہ بر عالم بہنچسائے
ولے گز بگری بائستہ آن
کہ رحمت بر روان پاک آباد
ضمیرش سچو شمع طوطی روشن
ہنر سنجے حکیم خجستہ رائے
چو سعدی ملک فصاحت
عجیب از نویر دامن مشت کش
دے درد من موسی کاظم
در اقلیم تصوف شاہ باذل
بزدہ شان تصوف گشتہ محکم
ندارندش خبر ظاہر بریساں
چہ داند عظمت و شان تصوف
رموز ذات حق بروی حلی بود
ہمہ نہ بہت در معنی ہمہ است
چہ داند از ایرالینہ خانہ
پس از عاشقان لغز گفتا
بساعر جز مگر عشقش بچویند
بمعنی دامن ز حسن اور وایت
مرا چوں ز ادگان خود جگر بند
بر آرزوی ہمایوں کام فریاد
دل فریاد را تاب و توانی

مرا ناز نیست بر طبع جوانت
 ز سیمای تجابت آشکارست
 چو با نظم سخن داری سروکار
 بدل داری اگر ساغر پرستی
 بهمانا شاعری فن شریفست
 ز دالت پیشگانش خوار گردند
 ز حسن و عشق اگر داری و ایات
 که سازد عاشقان را خرم شاد
 سخن باید که باشد عاشقانه
 در آرد و شاعری ممتاز گردی
 به ایجاز سخن را تا توانی
 سخن بر گزین خط و حال و رخسار
 عمل شد منحصراً حسن نیات
 کلامی که پراز عشق و فحورست
 چو آبیاری که همه اهل زیانند
 تو خود صاحبی باں در ملی نژادی
 پراز نعمت تر از خود هست چون خول
 و گرفتاری است اندک در میان
 کس که از اصولت با خبر نیست
 اگر ایراد بی بود از کینه کوشی
 مکن آلوده لب از مدح ناز است

خدا افزون نماید علم و شانت
 وجودت مایه ناز بهتارست
 همی اندر ز چند از من نگه دار
 و گرازش نشسته این باده مستی
 تو شایبانی گرت طبع عقیقست
 که رسوایش سر باز آر گردند
 لوازم صرف کن در ستعارات
 بخواندش بزرگان جلای او را
 بر انداز فیض جان زمانه
 علم چون حافظ شیراز گردی
 بر آید تا از و طول معانی
 نه چون لولی پرستان سیه کار
 حقیقت را عیان کنی ز مجازات
 از چشم حقیقت بین نفورست
 در آرد و از فیض جان ماند
 در فیضان آرد و را کشادی
 نشاید ذله خواری کریمان
 برو ایراد باشد عامیانه
 ز جهل از حرف گیر و معتبر نیست
 جوایش نیست لحن جز خموشی
 تو خود هم نیک میدانی که بیجا است

رفاه حلقی بر جوتا توانی
 بدشمن هم ترا باید نکوئی
 بشو کوشاں بکاشے چون کنی عزم
 مرو جائیکہ جمع آیتند دشمن
 محواں اشعار خود در کو و برون
 مشو مغرور بر مدحت کہ گویند
 بہ چو کس زبان خود می آلتے
 مشو آوارہ گرداں اہم آہنگ
 حذر لازم از اں کس تا تواند
 چنین اندوز با چوں یاد دادم
 شمر دم فرض خود تمجیل این حکم
 چو عمر از حد طبعی برگزشتست
 درین ادبی بگشتم شخصت رسال
 بر آن نظرم کہ اکنون در شمارست
 بلے از نثر ہم دفتر نوشتم
 چو تعظیم بزرگانست کیشتم
 زبان دانان این شہر معظم
 زبان مادری من ہمانست
 سز در بر طبع بے پروا بنازم
 نہ پر اے تنا خوانان نہ راست
 مرا کو در مرائی او ستاد است

مراں چون بلہاں حرف نہائی
 بحق بیخ کس جز حق نگوئی
 در اں عزم از دل فجاں بیدت جزم
 حذر لازم نہ حرف بد شنیدن
 کہ تا زائل نگردد حرمت فن
 کہ اکثر مسلک ناراست پویند
 بخاطر خود پند ہی ادہ جائے
 کہ سنگ بد بجائے خوشتر سنگ
 نداند لیک دانندش کہ داند
 برادر شاد ات وی گردن نہاد
 چو فرمان پیدر تکمیل این حکم
 چہ بتواں کہ آبان سرگزشتست
 ضعیف فلنگ لنگان خستہ احوال
 فزون از یک لک پنچہ ہزارست
 نمی گویم ہمہ خوشہ شتم
 در اردو پیر و آبائے خوشتم
 نہ پنداری کہ بودند از کس کم
 نہ ما خود از کلام دیگرانست
 کہ از تحسین و فقریں ب نیازم
 نہ بیم از نکتہ چینی ہائے بیجاست
 دین نکتہ رس قدسی نہاد است

و لے چوں رہبر روحانی من
 بصد حرمت نکاہے دہشت سویم
 رضا و ناخدا بے مثل و انباز
 برویم صد در معنی کشادند
 نہ ہے کالی چرن استاد نامی
 از و آموختم یک چہ پیکل
 چو بے ریب و گماں ہادی من بود
 عزیزانیکہ تلمیذ حقیر اند
 چو عمرے زندگی کردند با من
 چہ لغزشہا کہ پوشیدم با صلاح
 نہ امیدے نہ احسانے ازیں ہا
 دماغ خویشتن بر باد دادم
 ز من آموختند آئین مجلس
 نمودم رو گناس یک جہلنے
 ک شودم یک مانے چشم شاں را
 نفہمیدند حد خویش با من
 دلم از دست ایشان ایشان دست
 بہ مجوم نامہا کردند تر قیم

انیس آمد کہ بودہ جان این فن
 ہمارہ سپر و رفتار اویم
 یکے از اصغہماں دیگر شیرازہ
 نہ بان پارسی را یاد دادند
 میان ہندیان ذاتش گرامی
 نمودم دقت گیتا از وحل
 چہ گویم جز دعا کا ستاد من بود
 ز طفلی خوگر دوشش فقیر اند
 شمیم نداند کے از بویے این فن
 گناہم این کہ کوشیدم با صلاح
 نہ نفع دین و ایمانے ازیں ہا
 فوائد ہا بہ ایشان یاد دادم
 بصد ر آوردم از پایتین مجلس
 ز مدح شاں بخواندم داستانی
 چو گر بہ دیدہ ہائے بچگان ا
 دریں وادی کجا ایشان کجا
 کہ این خم نہاں ز تیغ خویش بہت
 ز نام دیگران کردند تقسیم

۱۲
 لے حاجی محمد رضا کے اصغہمانی و ناخداے شیرازی دونوں بزرگ مرزا جیقا آئی
 کے ہم مشاعرہ تھے عظیم آباد میں دس برس تک مقیم تھے ۱۲
 ۱۳
 پیکل بکسر ہائے فارسی اوسکون فوس و فتحہ کافی لام ساکن فن و زبا سنسکرت

چنان طفلے کہ نشناسد پدر را
 کلامش خود علم در تاپسندی
 چنان کس بر من ایراد آرد
 چه کلفت ها که از ایشان نه بدیم
 عزیزانیکه که دل جوئے فقیر اند
 جیل بر استان اہلیت خم
 نہ پنداری فقط ما را عزیز اند
 نہ در اخلاص شاں لغزش بدیدیم
 چو کس او استاد خود شمر دند
 سعادت مند و با فہم و شعور اند
 نہ نقصانے نہ آزارے بدیدیم
 نمودم اند کے گر وقت خود صرف
 شمر دند انکہ نعمت یافتیم من
 خدایا اجر این خدمت بدہ شاں
 خدایا بر چه گفتیم راست گفتیم
 شفیقا ناظر انصفت شعارا
 اگر عیبم نگسری با تو گویم
 عزیزانیکہ بدگوئے فقیر اند
 جواب این عزیزانم خموشی است
 خطا جو یا شن گفتیم و رفتیم
 نجویم زیں کریمیاں مال نہ بیچ

چہ فہمد قدر استاد ہنر را
 کنند اندر شنایشش لیش خندی
 چہ ایراد از خصومت یاد آرد
 بدست داور انصافش سپردیم
 در ارباب سعادت بے نظیر اند
 ندانند از پدر استاد را کم
 متین و نکتہ سخن و با تمیز اند
 نہ غیبت از زبان شاں شنیدیم
 بحرف و می شک و ریبے نہ بردند
 ازین استاد آزاری نفور اند
 نہ در اصلاح شاں محنت کشیدیم
 بدل کردم اگر گاہے دوسر حرف
 یکے پایندہ دولت یافتیم من
 وقار و عمر و ہم دولت بد شاں
 حقیقت بے کم و بے کاست گفتیم
 دریں فن ادعائے نیت مارا
 بیائے شل رہ حق را پر گویم
 بہ بند نکتہ چینی ہا اسپر اند
 کہ ۲ پیریں ملک من عیب پوشی است
 ہنر پوشش ادعا گفتیم و رفتیم
 دعائے مغفرت خواہم دگر بیچ



سال ہا دل طلب جام جم از مامی کرد انچہ خود داشت ز یگانہ تمنای کرد

قواعد علم اللسان کے رو سے ہنوز ہماری اردو زبان میں فارسی عربی
خواہ کسی دوسری زبان کو (مثلاً انگریزی) دخل تام و رکینت کا رتبہ حاصل
نہیں ہوا ہے۔

اصلیت و رکینت کے یہ معنی ہیں کہ بغیر اُس زبان کی شرکت کے چارہ نہ ہو
مدتوں سے سنتے آتے ہیں کہ ہماری زبان جس کا نام اردو ہی بہت سی بانوں
سے مل کر ہے جس میں عنصر غالب فارسی اور کسی قدر عربی زبان کا ہے۔

ملا محمد فائق نے اپنی کتاب میں ایک قول سیبویہ مشہور نحوی کا لکھا ہے سیبویہ کہتا ہے
کہ اگر تم کو کسی زبان کی اصلیت و رکینت دیکھنی ہو تو اُس زبان کے مختلف
لفظوں پر نظر کرو اور یہ دیکھو کہ اس زبان میں افعال و علامات خبر و ضمائر
و اسمائے اشارہ کس زبان کے ہیں اور آیا تبدیل ہونے پر بھی وہ زبان اپنے
مرکز پر قائم رہ سکتی ہے یا نہیں؟

اس معیار پر اگر جانچا جاتا ہے تو فارسی و عربی وغیرہ کوئی غیر زبان نہیں ٹھہرتی

سینویہ یہ بھی کہتا ہے کہ جملوں میں مبتدا و فاعل و مفعول و متعلقات جملہ کا اس
 معنی کر کے اعتبار نہیں ہے۔ یہ جملہ خاص اُردو کا ہے مثلاً ہم نے روٹی کھائی
 اگر ضمیر ہم فارسی زبان میں تبدیل کر کے کہیں کہ من روٹی کھائی یا فعل کو
 بدل کر کہہ دیں کہ ہم نے روٹی خوردم تو یہ جملہ اُردو کا نہ ہے گا ہاں مفعول کو
 بدل سکتے ہیں مثلاً ہم نے نان کھائی۔ اسم اشارہ کو بدل کر دیکھئے جیسے وہ
 آیا کو دہا آیا، کہہ دیں یہ بھی غیر ممکن ہے ہم کتاب کی کتاب صحیح اُردو میں
 ایسی لکھ دے سکتے ہیں کہ جس میں ایک لفظ بھی فارسی عربی یا کسی غیر زبان
 کا نہ ہو مگر چاہیں کہ ایک جملہ بھی بغیر مروجہ ہندی لفظ کے ادا کر دیں غیر ممکن
 ہی چنانچہ آگے اس کی مثالیں آئیں گی۔

شعراے اُردو میں سب سے زیادہ حضرت غالب الفاضل فارسی بہ ترکیب
 فارسی داخل فرمایا کرتے ہیں مثلاً ع شمار سحر مرغوب بت مشکل پسند آیا۔
 ملاحظہ ہو سارا مصرع مرکب در مرکب فارسی کا ہے مگر فعل کو بدل نہ سکے
 یہ بھی غور کیا جائے کہ جتنے الفاظ فارسی کے ہیں ان میں نہ صرف ہونہ ہم
 اشارہ نہ علامات خبر ورنہ جملہ اُردو کا باقی نہ رہتا اور ملاحظہ ہو
 نقش نازبت طناز باغوش قریب پائے طاؤس پڑ خامہ مانی مانگے
 دونوں مصرع فارسی الفاظ سے بھرے ہیں مگر ان میں ایک بھی کین
 زبان (اسم اشارہ و ضمیر و علامت خبر و فعل) فارسی کا نہیں ہے ورنہ
 ممکن نہ تھا کہ تبدیل کر سکتے اب اُردو کے جملوں کو ملاحظہ کیجئے۔
 بھوک کے مارے جھلا گیا گھر آیا بھر پیٹ روٹی کھائی دگدگ کا کر پانی پیا

ہند کے مارے آنکھیں جھپکنے لگیں پڑ کر وہیں سو رہا پھر ایسا سویا کہ
 بھور ہو گیا سورج نکلا دن چڑھا تو بھی میں نہ چونکا جب لوگ آئے
 اور پاؤں پکڑ کر کھینچا تب میں چونکا۔

دوسرا جملہ بھئی تم جو مجھ سے یہ کہتے ہو کہ تو اپنے کہنے والوں سے نزل
 انھیں چھوڑ دے تا تو سہی یہ بات کسی سے ہو سکتی ہے کیسے ہی کڑے
 کیلچہ کا کوئی ہوا اتنا قصائی پن اس سے ہو ہی نہیں سکتا کہ اوروں سے
 توجی کھول کر ملے اور جن سے لہو ملا ہوا ہے انھیں سے منہ موڑے۔

مذکورہ بالا دو طویل جملے صحیح اردو کے ہیں مگر ایک لفظ بھی ان میں
 فارسی کا نہیں ہے ظاہر ہے کہ اس زبان میں فارسی وغیرہ زبانیں
 اصل زبان میں داخل نہیں ہیں پھر یہ کہنا کہ اردو چار زبانوں
 سے ترکیب دیکر بنائی گئی ہے کیونکر صحیح کہا جا سکتا ہے۔

جتنی زندہ زبانیں موجود ہیں کم ہمیشہ ان میں غیر زبانیں بھی مل گئی
 ہیں اس لئے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ زبان فلاں غیر زبان سے مرکب
 ہے ہمیشہ ہماری زبان میں وہ گو کہ اصل زبان میں نہیں ہے فاعل
 و مفعول وغیرہ چند متعلقات جملہ میں بہت افراط سے فارسی وغیرہ
 زبانیں ایسی مل گئی ہیں کہ ان کا چھڑائے چھوٹنا اب نہایت ہی
 مشکل ہے مگر میں کہتا ہوں کہ جب وہ الفاظ ایک مدت سے زبان
 میں مل کر کہیں اندک تغیر کے ساتھ کہیں بلا تغیر جزو واحد ہو چکے
 ہیں فرض کرو کہ لغت سے کوئی شخص اس لفظ کو ہٹا کر بجائے اس کے

اپنے حسب خواہ دوسرے الفاظ کے تو اول بہ زبان میں خدا جانے
 غیر زبانوں کے الفاظ متغیر ہو کر یا بچنے کیسے قدر مل گئے جس کا حصا
 ناممکن ہے تو چاہئے کہ سب کے ساتھ ایسا ہی تعصب رکھے اور یہ ناممکن ہے
 دوسرے اتنے بے گنتی الفاظ کا جو ہر اعتبار سے اب اسی زبان کے
 قرار دیدے گئے ہیں مروجہ زبان سے نکال نکال کر اجنب لغات
 و الفاظ کو داخل کر نیکی کوشش کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا موجودہ فصیح
 و سلیس اردو کو نہ وہ جس میں کثرت سے زبردستی فارسی کی تیرکیں
 الگ نئی نئی داخل کی جا رہی ہیں اور الفاظ الگ دوسری طرف
 اچھے خاصے مستعمل لفظ کی جگہ سنسکرت کے اجنب الفاظ داخل ہوئے
 ہیں، اگر مسلمان اور ہندو دونوں اپنی متفقہ کوشش کر کے اور بھی
 پھیلانے کی تدبیر کریں تو شاید یہ زبان جو اس وقت دینا بھر کی زبانوں
 میں شہرت پا چکی ہے عالم گیر اور علمی زبان ہو جائے اس موجودہ
 سب طرح سے آراستہ زبان میں ایک جانب سے فارسی عربی کے
 زیادہ کرنے اور دوسری طرف سے بھاگھا اور سنسکرت زیادہ
 لغات لانے کی کوشش سے یہ ہو گا کہ اس میں پوری کامیابی ہوگی
 نہ اس میں نتیجہ بجز تنزل کے کچھ نہیں ہے۔ جو لوگ اس بنا پر کہ اس کا
 نام اردو ہے اور بد قسمتی سے چند ناواقف حضرات نے اس کی تصدیق
 بھی کر دی کہ مسلمانوں کی فاتح فوج کے باز اریں یہ زبان پیدا
 ہوئی اسی لئے اس کا نام زبان اردو ہوا وہی لوگ جھگو کسی ایک

تاریخ یا روزنامہ یا تذکرہ میں جہاں جہاں اس زبان کا ذکر کسی جگہ
 چھٹی صدی ہجری سے شروع تیرھویں صدی ہجری تک منجگو یہ تو
 دکھائیں کہ اس زبان کا نام زبان اردو ہے جہاں جہاں کر آیا ہے
 ہندی یا ہندوستانی زبان اس کا نام بتایا ہے خود راقم الحروف نے
 اسی خیال سے تاریخوں روزناموں تذکروں میں ڈھونڈ ڈھونڈا کہ
 کہیں تو یہ نام زبان اردو نکل آئے مگر کسی جگہ یہ نام ہی مذکور نہیں
 ہے۔ تب اس کی کھوج ہوئی کہ حقیقت میں کب سے اور کس نے اس
 زبان کا اردو نام رکھا کہ دفعۃً او اسطہ تیرھویں صدی ہجری سے
 اس سرے سے اس سرے تک یہ نام دائر و سائر ہو گیا۔ آخر اس کا
 پتہ لگ گیا اس کے بیان کے لئے ضرورت اس کی ہے کہ
 مختصر طور سے اس کی تاریخ دہراویں۔

یہ تو ہر طرح سے معلوم ہو چکا کہ اس زبان کی اصلیت اور ڈھانچ
 کے اندر زبان فارسی وغیرہ نہیں ہے دلیل اس کی یہ ہے کہ سطروں کی
 سطریں بربکت کی اس زبان میں لکھ جائے جس میں ایک لفظ بھی
 فارسی کا نہ ہو اور نہ ضرورت مجبور کرے برخلاف اس کے اگر اسی
 شریک اعظم (فارسی) کے الفاظ اور مرکبات حضرت غالب کی
 طرح زبردستی داخل کر نیکیا قصد کیجئے اور یہ چاہئے کہ بغیر ہندی لفظ
 کے ایک جملہ بھی تمام ہو جائے تو ناممکن ہے دراصل تو یہ زبان
 ہندوستانی ہے اور ہندوستانی ہی اس کے مالک ہیں پھر یہ کیوں نہ ہو سکتا تھا

کہ غیر زبان دخل در معقولات ہے۔

یہ تو معلوم ہے کہ مسلمانوں کے میل جول سے اس زبان میں الفاظ فارسی و عربی و ترکی وغیرہ بضرورت ملنا شروع ہوئے چاہے ان کے اُردو بازار میں ہو یا باہمی معاشرت میں لیکن یہ بھی ضرور ہے کہ مسلمان بھی یہ مجبوری ان الفاظ کو اس زبان میں ملاتے تھے اور وہ اسی زمانہ سے سوچے ہوئے تھے کہ غیر زبان کے الفاظ کے ملنے سے فصاحت میں داغ لگتا ہے چنانچہ اس زبان مردو ج میں انہوں نے بکثرت اشعار کہے ہیں حیرت تو یہ ہے کہ باوجود اس میل جول اور مزاولت کے فارسی الفاظ اور فارسی ترکیبوں سے برابر اجتناب کیا ہے۔ جہاں تک معلوم ہے ابتدا میں اس زبان میں مرتبے کہے گئے ہیں مجکویا داتا ہے کہ مدت ہوئی میں نے ایک قدیم بیاض میں دو تین سطروں میں ایک نظم دیکھی تھی جو امیر خسرو کے سیکڑوں برس قبل کی تھی اس کا ابتدائی مصرع مجکویا دہی ع
چمن میں آئی ہے کیسی بیہ ت مے نین سے کوئی تہا کے حضرت ایسر جس پایہ کے فارسی گو شاعر تھے اس وقت تک ہندوستان پر کیا منحصر ہے خود مرکز زبان فارسی تک میں اگر دیکھا جائے تو دو تین ہی نام لئے جاسکتے ہیں ظاہر ہے کہ جو شاعر ایک زبان میں اتنا بڑا فصیح و کامل ہو گا وہ دوسری زبان میں جو پینزلہ اس کے مادر ہی زبان کے ہو کیا کچھ اٹھارکے گا ان کے سب قسم کے ہندی کلام موجود ہیں

اگر مسلمانوں کا یہ قصد ہوتا کہ جان بوجھ کر بے ضرورت اس زبان میں فارسی وغیرہ الفاظ اور ترکیبیں ملائے جائیں تو حضرت امیر خسرو چھوڑ دیتے غرض نے الحقیقت بابر بادشاہ کے زمانہ تک یعنی تین سائے تین سو برس تک جتنا میل فارسی کا ہو چکا تھا وہیں تک حد رہی مگر نویں صدی کے آخر سے بہ سبب اس کے کہ بابر بادشاہ کے ہمراہ فوج سے لیکر جتنے احرار یا ہمراہی تھے ان میں ایک بھی ہندی نہ تھا اس لئے اس زمانہ سے باقراط فارسی و ترکی لفظ اس میں ملنا شروع ہوئے اور سبب اس کا یہی ہوا کہ درمیان میں شیر شاہ کی سلطنت کا پندرہ سو لہ برس کا جو کچھ تفرقہ ہوا اور نہ اکبر بادشاہ کے عہد تک برابر فارسی زبان ملتی ہی رہی کیونکہ سلطنت کے استقلال نے ملکی لوگوں کو فارسی زبان کی تحصیل پر مجبور کر دیا اور ایسے لوگ برابر اپنی قابلیت کے اظہار کے لئے افراط سے فارسی ملائے چلے گئے۔

نواب فاضل گنہاں اپنے روزنامہ میں یوں لکھتے ہیں جس کا ترجمہ یہ ہے باوجود اس کے کہ ہنوز دربار و محلات میں ملکی لوگوں (ہندوؤں) کی کثرت نہ تھی حضرت نخل سبحان اکبر بادشاہ کی زبان پر یہ لفظ جاری تھا کہ جس ملک پر مابعد دولت کو دعویٰ جہاں بانی ہوا اور اس ملک کا نظم و نسق میرے متعلق ہو اس ملک کا رویہ تاک ہم کو معلوم نہ ہو یہاں تاک کہ اس ملک کی مروجہ زبان سے اجتناب کریں اور بھوض اسکے کہ یہیں کی بولی کو زیادہ پھیلائیں تاکہ زبان مروجہ میں پھیلاؤ پیدا ہو لیکن اس کی جگہ ہم

فارسی و ترکی و عربی سے کام نہ لیں اور اب تو وہ اگلا وقت بھی نہیں ہے
 کہ اہالیان سلطنت یہاں کی زبان جانتے ہوں بلکہ جہاں تک متوسلین
 دربار ہیں وہ بخوبی یہاں کی مروجہ زبان سے آگاہ ہیں چاہئے یوں کہ
 جہاں تک ہو فارسی وغیرہ لغات کو کم استعمال کریں۔ ابو الفضل نے لکھا
 ہے کہ حضرت نے ہزاروں ہندی اصطلاحیں خود اختراع کیں اور جب
 جب کوئی نیا عہدہ یا نیا محل یا نئی چیز ایجاد کی اس کا نام ہندی ہی لکھا
 چنانچہ اس کی بھی ایک لمبی فہرست دی ہے اس دانا ترین سلاطین کے
 بعد جہانگیر بادشاہ کو اس طرف توجہ نہ تھی جوں جوں علم عربی فارسی
 بڑھتا گیا اس زبان میں بھی میل عربی فارسی کا بہت بڑھا یہاں تک
 کہ عبدالرحیم خاں نے ایک عجیب مضحک نقل جہانگیر کے سامنے بیان کی
 مگر بادشاہ کو اعتنا نہ ہوئی انھوں نے عرض کیا کہ جب میں فتح بلوچستان
 کے لئے روانہ ہوا تو لشکر میں ایسا قحط پڑا تھا کہ دو اب وغیرہ پر کیا ٹھہر
 ہی سیکڑوں انسان فاقہ سے مرنے لگے ایک دن خادماناں نے
 اپنے ملازم سے کہا کہ نواب جعفر خاں کو میرا سلام کہنا اور یہ التماس
 کرنا کہ آپ کی سرکار میں گھوڑوں کے لئے گھانسی ہوگی میرے
 گھوڑوں کو کئی ہفتوں سے گھانسی دینے نہیں ہے اگر ممکن ہو تو تھوڑی
 گھانسی مرحمت فرماتے جب یہ پیام نواب صاحب سے کہا گیا تو
 اپنے جواب میں ارشاد کیا کہ خود میرے مطبن میں اتنی طبن نہیں کہ
 عصافیر آشیانہ بنائیں چہ جا کہ افراس وافیال۔ غالباً یہی سبب تھا

کہ شاہجہاں بادشاہ نے شاہ جلوس میں بقول صاحب روزنامہ نواب
 سعد اللہ خاں وزیر کو ایک فرمان لکھا کہ آئندہ سے امر اوہالیان دفتر
 لغات عربی و فارسی کی آئینہ نش اس زبان میں نہ کریں اور جس طرح ماہر
 اور شاہزادے بولا کرتے ہیں اس کی رعایت رکھیں۔ یہی سبب ہوا کہ شاہجہاں
 کی طرف یہ زبان منسوب ہوئی۔ غرض یہی امر تھے جو چھپس برس تک
 اورنگ زیب کے لشکر میں دکن کی خاک چھاناکے۔ صاحب آثار الامرا
 لکھتے ہیں کہ قلعہ گول کنڈہ کی چڑھائی میں دکن کا رہنے والا ایک شاعر
 غبارِ مخلص بے علاقہ ملازمت قحط اصلاح زبان کی نظر سے فوج کے
 ہمراہ تھا وہ اپنے خیمہ میں مشقِ سخن میں مشغول تھا کہ قلعہ سے ایک گولے
 نے اگر اس کا کام تمام کر دیا غرض اس زمانہ سے لیکر محمد شاہی عہد تک
 ان غریب منصب داروں اور امر کو سر کھجانے تک کی تو فرصت نہ تھی
 اصلاح زبان کو پوچھتا کون ہی تاہم اس عہد میں بھی معتمد الملک نواب
 امیر خاں ایسا بہتہ صفت موصوف امیر تھا جس نے اس
 ملکی زبان کی طرف توجہ کر کے اصلاح شروع کی اس زمانہ میں حضرت
 ولی اپنا دیوان ترتیب دیکر دہلی میں لائے اور نواب ممدوح کو دکھایا
 تو نواب نے سُکر کہا کہ شاہ صاحب اپنے تو ہندی زبان کی کچی دیوار
 پر فارسی کا ریختہ خوب کیا ہے تب سے ایسے اشعار کا نام ریختہ ہوا اور
 یہ نام بہت دنوں زبان زد رہا۔ یہاں تک کہ سلطنت کا حال عالمگیر
 ثانی کے زمانہ میں تباہ ہو گیا۔ بادشاہ سلامت نام کے بادشاہ کے

شاہزادہ عالی گوہر کو بعد عالم گیر ثانی کے بمصلحت انگریزوں نے
 یاہم کیا اور شاہ عالم کا لقب دیا۔ دہلی وغیرہ تو یاغیوں کے قبضہ
 میں تھی ناچار الہ آباد میں شاہ عالم کو جگہ ملی اگرچہ باعتبار حکومت
 و دولت وغیرہ کے یہ بادشاہ ایک نواب سے زیادہ رتبہ نہ رکھتا
 تھا مگر جو ضابطہ قدیم تھا مثلاً سرشتہ وزارت بخشی گری وغیرہ سب
 نہایت مبتذل پیمانہ پر قائم تھا۔ اسی اعتبار کر کے دو تین ہزار فوج
 بھی ساتھ تھی نام نہاد کو اردو بازار بھی تھا۔ انگریزوں کو نصیح
 زبان سیکھنے کی دھن تھی جن جن کو انھیں ہشرفا و اہل زبان سے
 سیکھتے تھے اُس وقت سے انگریزوں کی بدولت اس زبان کی
 شہرت زبان اردو ہوئی باوجود اس ترقی کے جو اس وقت اس
 زبان کو نصیب ہوئی اس زبان کی فصاحت و بلاغت کے
 بارہ میں جیسا چاہئے اب تک کسی نے قلم نہیں اٹھایا ہی عربی دہا
 عربی کتابوں سے مدد لیا کرتے تو ہیں مگر جو قواعد مختصر زبان عربی
 کے ادب سے متعلق اور عامتہ الورد نہیں ہیں وہاں ضرور عاجز
 آجاتے ہیں۔ راقم آتم ذیل میں اس کے متعلق کچھ فوائد درج کرتا ہوں
 تاکہ ہمارے شعرا اور اہل علم کو توجہ ہو۔

فصاحت و بلاغت

تلخیص و مختصر معانی وغیرہ جتنی کتابیں فن معنی و بیان میں لکھی گئی ہیں

اور ان میں فصاحت و بلاغت کی جہاں تک تعریف کی گئی ہے اس کا حاصل
ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

فصاحت کی اجمالی تعریف یہ ہے کہ الفاظ میں جتنے حروف ہوں ان کی نسبت
دل پسند اور ان کے آپس میں تنافر نہ ہو اور قواعد صرف سے متجاوز نہ ہو۔ الفاظ
سب مانوس ہوں غرابت یعنی بیگانگی نہ پائی جائے۔

علمائے فن ادب نے تنافر کے بارہ میں بہت بڑی بحث لکھی ہے مثلاً جمع ہونا دو
دو رخ کا دو دو حرف سا دو دو سی دو دو شی دو دو غ دو دو ق دو دو
حائے حطی یا ہائے ہوز کا۔ اصل یہ ہے کہ ان حرفوں کے جمع ہونے سے زبان کو
ضغطہ ہوتا ہے اور آواز گرانی کرتی ہے یا اگر اس معنی میں کوئی دوسرا لفظ ہے تو
یا وہ نام ہو جیسے (ققنس جانور مشہور کا) تو مجبوری ہے۔ مگر یاد رہے کہ مختلف
زبانوں میں مختلف حروف و الفاظ سے ضغطہ زبان واقع ہوتا ہے جیسے ہماری
زبان میں حروف ڈ ٹ ٹا یا مخلوطاً تلفظ ہائے ہوز کے ساتھ جیسے تھما
بھا وغیرہ۔ لت مفرد رہنے کے یعنی ایسے دو حرفوں کا جب تک

اجتماع نہ ہو ہرگز ضغطہ نہیں ہوتا ہے لیکن اہل عجم و عرب وغیرہ جیسا کہ اس
برس اس ملک میں کہنے پر بھی یہ سبب ضغطہ زبان کے درست دانہیں کر سکتے ہیں
فصاحت کی تعریف میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ لفظ غریب یعنی اجنب نہ ہو۔
اب مثلاً سونف دو اے مشہور کی جگہ کوئی شخص راز یا ناخ استعمال کرے
ہر چند وہی معنی اس کے بھی ہیں تو غرابت ہوگی بااں ہمہ مذاق سلیم
جن کو ہے اور بالطبع وہ ایسے مقامات کو پہچانتے ہیں وہ خوب گاہ

ہیں کہ بعض مقام ایسے آجاتے ہیں کہ غریب اجنبی ہی لفظ وہاں
 پہلے معلوم ہوتے اور ویسے ہی لفظ کی وہاں کھپت بھی ہے۔ رہا یہ
 امر کہ قواعد صرف کے برخلاف نہو جیسے ہمارے صوبہ بہار میں فعال
 میں ایک سین تحقیق اور نون توقیر آخر میں بڑھا دیا کرتے ہیں فلاں شخص
 نے فلاں بات کہی تحقیق سے غرض ہوگی تو کہیں گے فلاں بات
 کہس اور توقیر کی جگہ کہن لگاتے تھے مگر اب ہمیدہ لوگ اجنباب
 کرتے ہیں کچھ دنوں پہلے افعال کو بجائے مونث کے مذکر ہی استعمال
 کرتے تھے جیسے بجائے روٹی کھائی کے روٹی کھایا بات کہا۔

اسم اشارہ وہ کی جمع (متروک الاستعمال) (وی) بولا کرتے تھے
 کل یہ معنی دیر و یا فردا کے لہجہ میں بھی ہائے ہوز کے ساتھ کلمہ
 کہتے بلکہ تحریر میں ہائے ہوز کے ساتھ لکھتے تھے۔ غرض تعریف
 فصاحت مذکور الصدر سے غرض یہ ہے کہ الفاظ رکیک کہ ٹھہرا نگر
 بتدل چھوڑے اور ایسے نہوں کہ کانوں کو بھیانک معلوم ہوں۔

یہ بھی یاد رہے کہ فصاحت کے تین مدلول ہیں لفظ فصیح۔ کلام فصیح
 شخص فصیح۔ لفظ و کلام کی فصاحت کی تعریف تو اوپر گزری۔

شخص فصیح وہ کہا جائے گا کہ تقریر یا تحریر اوہ فصیح جمیل استعمال کرتا ہو
 ایسے فصیح البیان کے لئے لازم ہے کہ لہجہ بھی اس کا درست ہو لہجہ کی
 درستی کے یہ معنی ہیں کہ جس لفظ کو جس آواز اور جس ترکیب کے ساتھ بولنا
 خوش نما و خوش اسلوب و شیرین و دل پسند ہو اس سے عادتاً

تجاوز نکرے تاہم اس کو میں کسی قدر صراحت سے بیان کر سکی کہ کوشش
 کرتا ہوں۔ واضح ہو کہ کوئی آواز سُسر سے خالی نہیں ہوتی بلکہ آواز
 بھی سُسر ہی کا نام ہے علم موسیقی کے ماہروں نے انھیں سُروں کی
 پستی و بلندی سے سات سُروں پر اس کو منقسم کر کے سرگم نکالا ہے
 اور ہر سُسر کا ایک نام رکھا ہے ابتدا میں جو سُسر قائم کیا ہے یہ تدریج
 ایک کے بعد دوسرے کی آواز کو زیادہ بلند رکھتے گئے ہیں ہاتھوں
 سُسرین کا نام سرگم ہی ہے۔ سُسر۔ رکھپ۔ گندھار۔ مدھم۔ پنچم
 دھیوت۔ نکھاد۔ صورت اس کی یہ ہے کہ سُسر کو بمنزلہ ایک جڑ کے
 قائم کر لیتے ہیں اس کے بعد رکھپ کی صدا سُسر سے بلند تر پھر گندھا
 کی صدا کو رکھپ سے زیادہ بعد اس کے پھر مدھم کی آواز گندھار سے۔
 پنچم کی آواز مدھم سے اور دھیوت کا پنچم اور نکھاد کا دھیوت سے
 بلند تر ہوتے جانا ضروریات سے ہے اب اتنی بات اور بھی معلوم کر لینی
 ضروری ہے۔ بتا دین فن نے اسی سرگم کی ترتیب سے راگ اور راگینیاں
 نکالی ہیں مثلا کسی راگ کی یوں ترتیب دیدی کہ مقرر کردہ سُسر کی
 نسبت اضافی کے ساتھ کسی راگ کو مدھم سے شروع کیا بعد کو
 گندھار پھر دھیوت لگا کر سُسر یہ تدریج اُس کو تمام کر دیا یا مثلاً سُسر
 سے آغاز کر کے پنچم پھر رکھپ پھر دھیوت یا نکھاد لگا دیا غرض کہ
 انھیں سُروں کے اُلٹ پھیر اور ترتیب سے راگ اور راگینیاں بنا لیں
 یہ ترتیب کچھ ایسی سوچ بچار کر رکھی ہے کہ اگر ذرا بھی ترتیب میں بدل

آجائے تو بے سُر پے پن کا دماغ لگ کر نگسالی باہر ہو جائے۔ یہاں تک کہ
 جو لوگ اس فن سے ماہر ہیں انھیں پرنکھر نہیں ہر ایسے کُن سُر اے بھی
 جو اس کے علم سے جاہل محض ہیں وہ بھی فطرتاً اس بے ترتیبی سے کھٹک
 جاتے ہیں اس کی مثال قریب قریب عروض انوں اور جاہل موزوں طبع کی ہے
 اوپر کی سطروں میں لکھا جا چکا ہے کہ انسان کے مُنہ سے جو صدا نکلتی ہے وہ ایک
 سُر ہے اور جب وہ آواز معنی دار ہوتی ہے تو لفظ بولی جاتی ہے اور یہ بھی معلوم
 ہو چکا کہ انھیں سُرؤں کے علی الترتیب و تحت قواعد علم موسیقی استعمال کرنے کا
 نام گانا ہے اور یہ بھی خوب معلوم ہے کہ گانا (خصوصاً چھانگانا) کس قدر اثر انگیز
 و مناسب طبائع ہر ذی حیات ہے اب یوں سمجھ لینا چاہئے کہ وہ ترتیب سُرؤں
 کی جو گانے میں ہوتی ہے وہ تو معمولی تقریر و بیان میں قائم نہیں ہوتی اور نہ
 قائم رکھنے کی ضرورت ہے لیکن شخص فصیح کے لئے یہ ضرور ہے کہ جتنے الفاظ اور
 جملے اُس کی زبان سے نکلیں قواعد فصاحت سے باہر نہ ہوں ساتھ اس کے
 لہجہ و طرز ادا دل پسند و موثر ہو۔ الفاظ کے جتنے حروف ہوں پورے پوری
 آواز کے ساتھ مُنہ سے نکلیں جملوں میں جتنے الفاظ آئیں یوں نمایاں ہیں
 جیسے عقلمروارید میں موتیوں کے دانے جہاں جس حرف یا جس لفظ کا
 نسبت اضافی کے ساتھ کھینچنا چاہئے اعتدال کے ساتھ وہاں کھینچے اور
 جہاں برخلاف اس کے کھمراؤ مناسب ہو وہاں بھی اسی اعتدال نسبت
 اضافی کو مد نظر رکھے مگر یاد ہے کہ حروف عربی جو اردو کے جملوں میں ملے
 ہوئے ہیں اُس میں ح زح ض ظ ث س وغیرہ کو ہرگز اتنا نمودار نہ کہے

کہ کانوں کو بھیانک معلوم ہوں اور بناوٹ کا گمان ہو میں نے مانا کہ اصل
 زبان میں ان حرفوں کی آوازیں ایسی ہی ہیں مگر اب تو اردو زبان میں مل کر
 وہ لفظ اردو کا مال ہو گیا اور کثرت مزاولت سے اس کی بھی ضرورت
 ساقط ہو گئی کہ الف و ج و ح و ذ ز ض ط ث س کا فرق دکھایا جائے۔
 ایک جملہ کو دوسرے جملے سے ایسا ملانہ دے کہ دونوں میں فرق نہ رہے
 جن جن لفظوں پر معنا زور دینا چاہئے ان پر اسی ترتیب نسبت اضافی
 و اعتدال کے ساتھ زور دے جس لفظ پر سامع کو زیادہ توجہ دلوانی ہو اس
 پر مناسب زور دیکر کسی قدر ٹھہرا جائے۔ ان تمام باتوں پر اس طرح
 حاوی ہو اور یوں ادا کرے کہ کسی کو تصنع اور بناوٹ کا گمان نہ ہو گویا
 پانی کی ایک سیل ہے کہ خوش نمائی کے ساتھ بہتی ہوئی چلی آتی ہے۔ ان سب
 باتوں پر مقدم یہ ہے کہ آواز کو شیریں اور لہجہ کو متین و دلکش رکھے ایسا
 معلوم ہو کہ ایک خوش مزاج محبت بھرے دل کے ساتھ میٹھی میٹھتی
 ورت چہرہ مکر نہ بنائے اگر بیان غم ہو تو مضائقہ نہیں
 مگر حد اسدال کے اندر ہو تو مناسب ہے۔ جہاں نقل قول میں کسی لفظ
 کے ڈانٹ کر ادا کرنے کی جگہ ہے وہاں اعتدال کے ساتھ ڈانٹ کر ادا
 کرے نہ یہ کہ لڑنے لگے۔ نقل قول میں بعض مقام پکار کے آجاتے ہیں اس
 کی ادا میں صاف معلوم ہو گویا پکار رہے ہیں۔ جتنی باتیں میں اوپر
 لکھی آیا فرض کیجئے کہ ایک شخص میں پوری پوری ہیں مگر اعتدال نہیں
 ہے یعنی جماعت سامعین کا لحاظ مطلق نہیں رکھتا ہے ضرورت اتنا

چلانے لگتا ہے کہ کانوں کو مکروہ اور دلوں کو انزجار پیدا ہو (حالانکہ
 سامعین کی تعداد اتنی نہیں ہے) یا اتنی نیست آواز اختیار کرتا ہے کہ
 لفظ جلد سمجھ میں نہ آئیں اور دوبارہ پوچھنے کی ضرورت پڑے ایسا شخص
 بھی مورد اعتراض ہے۔ غرض یہ چند معمولی مگر ضروری باتیں ایسی ہیں
 کہ جس شخص میں پائی جائیں گی وہ فیض البیان کہا جائے گا۔
 بلاغت کی تعریف کتب مذکورہ بالا میں یوں کی گئی ہے کہ کلام فصاحت
 کے ساتھ مقتضی ہو معنی حال کو ہر چیز اسی جامع تعریف کے اندر جتنے
 اسلوب اور گوشے بلاغت کے ہیں سب آجاتے ہیں مگر افسوس ہے کہ
 علمائے فن معنی نے اس قدر اختصار و ایجاز سے کام لیا ہے کہ سارے
 اسالیب بلاغت ایک سرپوش کے اندر ڈھکے کے ڈھکے رہ گئے
 ہیں مختصر معنی مطول ایضاً یہ جتنی کتابیں فن معنی کی ہیں ان سے
 قطع نظر کر کے میثم الدین فقیر علیہ الرحمہ کے تصانیف یا خان رزوی
 کی نعمت عظمیٰ وغیرہ میں تو علاوہ زبان عربی کے زرا، فارسی سے
 بھی بحث کی ہے مگر ان حضرات نے بھی وہی ٹھٹھی چال اختیار کی ہے
 جو عربی کتابوں کی ہے۔

مقتضی معنی حال جیسے صاف و صریح الفاظ کو ایک گوگرد صند
 یا جیسا میں نے اوپر کہا ایک سرپوش کے اندر بند کر دیا ہو۔
 مقتضائے معنی حال کی مزاحمت سے ان کا یہ مطلب ہی بقول بعض
 اہل قلم کہ مبتدا و خبر کہاں مقدم لائے جائیں کہاں موخر کہاں معرف

بلاغت کی
 تعریف

ہو کہاں نگرہ کہاں مذکور ہوں کہاں مقدر۔ اسناد کہاں حقیقی ہو کہاں
بجازی۔ جملہ کہاں خبر یہ ہو کہاں انشائیہ۔ دو فقروں میں کہاں صل ہو
کہاں فصل کہاں اطنا ب ہو کہاں اختصار۔

میں نے مانا کہ مذکورہ بالا باتیں اسالیب بلاغت کو شامل ہیں مگر جو ضروری
اور لازمی باتیں بلاغت کے لئے درکار ہیں ان کا اس صراحت میں کہیں
پتا نہیں۔ واضح ہو کہ بلاغت عربی لفظ ہے جس کا ترجمہ ہماری زبان میں
(پہونچ) ہی اس معنی کر کے کلام بلیغ کے معنی ہوئے پہونچا ہوا کلام یعنی
جہاں تک اوصاف کلام کی بلندی ہو وہاں تک پہونچا ہوا مقتضی
معنی حال سے غرض یہ ہے کہ جو مفہوم ہو اور اس مفہوم کی جیسی حالت اور
جیسا مقتضی ہو کلام میں ان سب اسلوبوں کو اس طرح اور اس عبارت
کے ساتھ ادا کرے کہ صہلیت ہاتھ سے نہ جائے فرض کر دو ایک مصور نے
زید کی تصویر کھینچی زید خوبصورت نہیں ہے مگر وہ تصویر کسی خوبصورت شخص
کی ہو گئی یا مثلاً زید ڈبلا پتلا آدمی ہے مگر تصویر سے مٹا پانمایاں ہی یا مثلاً
خیالی تصویر کھینچی اس طرح پر کہ اعضا کی ترتیب کو مد نظر نہ رکھ کر پاؤں کو
ہاتھ کی نسبت اور ہاتھ کو پاؤں کی نسبت موٹا یا پتلا کر دیا۔ یا مثلاً بیان
تو کسی مفہوم داغ رسیدہ کا ہی مگر سہو طریقہ ادا وہ رکھا کہ معلوم ہو کسی صاحب
شادی کا ذکر ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ فی زمانہ جس کو ان نیچرل یعنی برخلاف
فطرت کہتے ہیں یہ بات نہیں بلکہ جتنے اسلوب اس جملے میں ہوں سب کی
ترتیب فطرتاً ٹھیک ہو اور اس مختصر میں اتنی تو گنجائش نہیں ہے کہ مثالیں دیکر

سنائے اسالیب بلاغت کی تشریح کی جائے یا اس ہمہ آگے بڑھ کر چند مثالیں
ایسی نکور کی گئی ہیں جن سے ایک ذہن محصل کے خیال کو وسعت ہو جائے
واضح ہو کہ بلاغت کی تعریف میں یہ تو معلوم ہو چکا ہے کہ فصاحت اس کا
جزو اینفک ہے کیسا ہی پہونچا ہوا کلام کیوں نہ ہو اگر اُس کے الفاظ فصیح
نہوں گے تو بلاغت سے گرجائے گا۔ اس لئے ذیل کی اکثر مثالیں کہیں
فصاحت کے متعلق ہیں کہیں مشترک ہیں۔

فصاحت کے بیان کی صراحت میں کہا جا چکا ہے کہ حرف پوے پوے
ادابوں فرض کیجئے کہ بضرورت نظم کوئی ان کو دبا کر استعمال کرے تو
فصاحت باقی نہ رہیگی مثلاً حمزہ یا پنچہ دونوں فصیح لفظ ہیں لیکن
یوں نظم کئے جائیں ع جعفر کو جو دیکھا ہے تو اب
حمزہ کو دیکھو یا ع وہ پنچہ علم کا ہے تو وہ شقہ علم کا
تو مصرع کی فصاحت باقی نہ رہیگی پھر بلاغت کہاں۔ اسی طرح ع
اللہ پہ تو ایسا ہی لایا نہیں ہے۔ اس مصرع میں دو لفظ دیکھو آئے اللہ اور
لایا اس لئے نہ فصاحت رہی نہ بلاغت لیکن تکرار تعجب کی جملے و
خطاب میں (خصوص لفظ سے کے ساتھ اسی اللہ کا دب کرنا کلام کو
فصیح تر بنا دیتا ہے ع اللہ اللہ چہ جمال است بدیں بو لہجی ع
اللہ سے تراطنظنہ او ظالم غدار۔ برخلاف حفظ مراتب سے زیادہ
بلاغت میں داغ لگاتا ہے کیونکہ مقتضائے حالت کے بالکل مخالف ہے
درصل مشترکہ یعنی کہیں اوتٹ کہیں بلی اسی کا نام ہے مثلاً جس مینہر جماعت

کے تین در لڑ کے باپ یا اور بزرگوں سے تم کے لفظ سے خطاب نہیں کیا
 کرتے وہاں تم کے خطاب کرنا جیسے ع پھر باپ سے کہنے لگا تو تم کو کچھ
 مگر جہاں اس کا رواج ہے اس سو سیٹی کے اعتبار سے برخلاف بلاغت ہوگا
 مذکورہ بالا مقام پر یوں کہنا بلاغت ہے ع پھر باپ سے کی عرض کہ کچھ
 آپ تو فرمائیں یا ع کی عرض کہ حضرت بھی تو ارشاد کریں کچھ۔
 حشو (یعنی بیکار لفظ کا نظم کی کھپت کے خیال سے لانا) برخلاف بلاغت
 ہی مثال ہے زینب نے کہا روڈ نہ تم تشنہ لبی سے یہ فرمایا سیکند نے اس اپنی پھوپھی سے
 اس شعر میں دو عیب ہیں ایک تو مصرع دوم میں "اس اپنی" کی مطلق
 ضرورت نہیں یوں کہہ سکتے تھے ع کی عرض سیکند نے یہ تبت وکے
 پھوپھی سے - دوسرا عیب شتر گریہ ہے یعنی برخلاف مقتضائے حال
 پھوپھی کی زبان سے لفظ کہا یعنی زینب نے کہا اور پھوپھی کی زبان سے
 فرمایا استعمال کیا ازاں قبیل یہ مصرع - بندہ نے نہ پہچانا تمہیں
 اس گھڑی گناہ - بندہ بمقابلہ خدا یا معبود کے حقیقی معنی رکھتا ہے
 اور بزرگوں اور بڑوں کے مقابلہ میں مجازاً بولتے ہیں ایسی جگہ قرین
 بلاغت یہ ہے کہ بندہ درگاہ یا بندہ حلقہ بگوش مرکب کر کے استعمال
 کیا جائے بحالت مفرد غلام یا خادم کا لفظ لانا زیادہ تر مناسب قرین
 بلاغت ہے اور بادشاہ کو تم کر کے مخاطب کرنا بھی چھوڑا بن ظاہر کرتا ہے۔
 واضح ہے کہ جہاں اظہار عقیدت و محبت کا جوش ہوتا ہے وہاں
 تم پر کیا منحصر ہو تو تک استعمال کر جانا بلاغت کے تحت میں ہی مگر

یہاں جوش کیسا بادشاہ کو ہنوز پہچانا تک نہیں ہے۔ ایسے مقامات کو
خود مذاق سلیم قبول کر لیتا ہے۔

یا مثلاً جملہ کی ترکیب کو فارسی مرکبات سے ایسا پیچیدہ کر دینا کہ معمولی انصاف

ادق ہو جائے اور معنی میں کوئی حُسن نہ پیدا ہو بلکہ اردو کا جملہ

فارسی کا جملہ ہو جائے جیسے ع تارِ نظر مردِ مکب غول بد اطوار

زبان کا الگ خون ہوتا ہے اور بلاغت کی نازک گردن گراں باری سے

جدائوٹی جاتی ہے پھر غول جس کی صفت گم راہ کرتا ہے اس کو بد اطوار

کہہ دینا کیسا بھدا پن ہے تو الی اضافت کو علمائے فن نے مستحسن نہیں

سمجھا ہے چنانچہ مختصر معنی میں اس کی بخت کو ادھورا چھوڑ دیا ہے یہ

کہہ کر اگلا ما شاء یعنی کہیں کہیں مستحسن بھی ہے حقیقت

میں اس کی تھوڑے بھی مذاق صحیح و سلیم ہی کر سکتا ہے

یعنی تو الی اضافت سے جہاں شان موصوف کی بڑھتی

جائے اور عبارت چست اور اپنے رتبہ میں بلند ہر جاے وہاں فقط

جائز ہی نہیں بلکہ متانت اور عبارت کی شان و منزلت بڑھ جاتی ہے

مثلاً ان دونوں شعروں کے مصرع اول میں تین تین اضافتیں ہیں

۱۔ قیامت پائمال جلوہ رفتار دلبر ہے۔ جو اس کا نقش پا ہے پتھر

خورشید محشر ہے دوسرا شعر ۲۔ اللہ سے صفائے بیان حدیث دوست

دم بند ہے فصاحت اہل حجاز کا۔ مذاق صحیح و درست پہلے شعر کی

تو الی اضافت کو نامقبول اور دوسرے شعر کی اضافتوں کو مقبول

کیسا بلکہ یہ چاہتا ہے کہ اگر اور بھی گنجائش ہوتی تو دو ایک اضافت اور
 بھی بڑھ جاتی ملا گل محمد مکرانی کا فارسی شعر باعتبار معنی کے چنداں بلند
 نہو ذیل کے شعر میں انھوں نے جو کچھ کہا ہے اُس کے معنی یہ ہیں کہ میں نے
 اپنے معشوق کے لعل لب کی شیرینی کی تعریف شہر کے اندریوں کی
 کہ (شہر ماگر) حلوائیوں نے اپنی دکانیں بند کر لیں مگر توالی اضافت ہی
 نے اس شعر کو ایسا بلند کر دیا کہ بے اختیار واہ واہ منہ سے نکلتی ہی
 حالانکہ مصرع اول میں تین کیسی پانچ پانچ اضافتیں ہیں **و**
 حدیث لذت لعل لب شکر فشان او۔ یہ شہر افگندم و شکر فروشان
 دکان بستم۔ اس جگہ توالی اضافت کو دل کیوں پسند کرتا ہے اس کا سبب
 یہ ہے کہ قانون بلاغت کے تحت میں ہی ترتیب یوں رکھی ہے کہ ہر مضاف
 بعد ہر مضاف الیہ کے اپنی شان میں ایک دوسرے سے بڑھتا ہی جاتا
 ہے برخلاف اس کے قیامت پائمال جلوہ رفتار دلبر ہی "پائمال
 جلوہ رفتار" معمولی الفاظ ہیں ایک مضاف کے بعد دوسرا مضاف
 صرف معنی بتاتا ہے شان مضاف کی نہیں بڑھاتا۔ اس مقام پر یہ بھی
 یاد رکھنے کی بات ہے کہ بعض جگہ اردو میں اضافت بہ ترکیب فارسی
 لانے سے کلام متین ہو جاتا ہے اور بعض جگہ بھدا مثلاً پسر سعد کی جگہ
 سعد کا بیٹا سعد تب سعد کے بیٹے نے یہ لشکر کو صدادی بجائے سعد
 تب یوں پسر سعد نے لشکر کو صدادی مصرع اول نسبت مصرع دوم
 کے صاف بھدا ہے۔ برخلاف اس کے بعض جگہ ہندی ہی ترکیب خوش نما

د دل پسند ہوتی ہے ملاحظہ ہو ع ہمیشہ زائد جھک گئے مولا کے پاؤں پر۔
 بجائے ع قدموں پر آ کے جھک گئے مولا کے بھانجے۔ یوں اسباب
 تیرجیح و جویاتِ بلاغت کے رو سے بیان ہو سکتے ہیں مگر حق یوں ہے کہ اس کا
 بھی جس قدر مذاق سلیم کو ہوتا ہے بد مذاق یا معمولی مذاق والوں
 کو ہو ہی نہیں سکتا۔

ازاں جملہ رعایت لفظی کی بھرمار سے بھی علی الخصوص جب یہ بات پائی
 جاتی ہے کہ یہ رعایت بے ساختہ ہرگز نہیں بلکہ محض تصنع اور آوردی تو
 اچھے مضمون اور خوبصورت بندش کو بھی خاک میں ملا کر چھوڑا اور بنگل
 بنا دیتی ہے ع یوسف کی قسم اب نکروں چاہ تمھاری۔ چاہ کی محض
 رعایت سے یوسف کی قسم کھا ہے ہیں حالانکہ یہ قسم شاید ہی کوئی کھاتا ہو
 ع بیروں میں بھی مرانا نہ کہدن ملتا نہیں۔ بیروں کی ایک قسم ناز کہدن
 ہے اب اس رعایت سے غریب معشوق کو زبردستی بیروں کے درختوں میں
 ڈھونڈ ڈھا جا رہا ہو۔ گویا گلہری کا پچھو معمولی ادیبوں اور شہ
 ہے بڑے بڑے ادیب و اساتذہ بھی اس چھوٹے پن کے مرتکب ہوئے ہیں
 مگر بات یہ ہے کہ بڑوں کی بڑی بات ہو کر تھی ہے اس انراط اور بہتات
 سے ان کے فیض و یلغ و متین کلام میں جن کے آگے اس مختصر عیب
 کی گرفت نہیں ہو سکتی۔ یہ بھی واضح ہے کہ بیساختہ اور دال میں نمک
 کے برابر اگر مخفی طور سے کوئی رعایت لفظی ہو جس سے یہ نہ معلوم ہو کہ
 زبردستی آورد کی گئی ہے تو مستحسن ہے نہ کہ ناجائز مثلاً ع روشن ہے

تسلیم کر لیا اور کہاں اپنے شہر کا خیر خواہ (جو کہیں دوں مرتبہ بادشاہ ہی) ممدوح کو بنا دیا۔

از آں جملہ عیب تناقض بہ مثلاً ع حرارت سے پھنکے جاتے ہیں۔
مثل برف جمتے ہیں۔

عیب تناقض

عیب تقدیم و تاخیر (یعنی جس کو مقدم لانا چاہئے اُس کو موخر و کبابکس بھی کلام کو بلاغت سے نکال دیتا ہے جیسے ۵ جب پڑی تلوار اُس کافر کا سارا تن کٹا؛ چار آئینہ کٹا بکتر کٹا جوشن کٹا۔ اس شعر میں مضمون مصرع دوم کو مقدم لانا چاہئے تھا کیونکہ چار آئینہ و بکتر و جوشن پہلے کٹ لیتا ہے تب جسم کٹا کرتا ہے از آں جملہ عیب تعقید ہی تعقید اصطلاح میں اس کو کہتے ہیں کہ مثلاً علم نحو میں جو ترتیب جملوں کی قائم کی گئی ہے اُس سے تجاوز کرنا معنایاً لفظاً۔ لفظاً مثلاً ع تو نام میرا چھ سے ہے کیوں پوچھتا۔ سائل بتا۔ پوچھتا ہے نحوی ترتیب سے تجاوز کر کے ہے پوچھتا، استعمال کیا۔ تعقید معنوی کا بیان صراحت سے آگے ہو گا۔

عیب تقدیم و تاخیر

عیب تعقید

از آں جملہ عیب ضعف تالیف ہی یعنی صاف صاف اور سادہ با محاورہ لفظ کی جگہ ناصاف اور خلاف محاورہ رائج فصیح کے الفاظ لانا اور تاویل بجا کرنا اور مثال میں فصیح کے متروک الاستعمال الفاظ سے شد وینا مثلاً نشہ بالفتح تمام ساندہ فارس استعمال کرتے آئے ہیں البتہ چند دنوں تک شعرائے بیختہ گونے بختین نظم کیا تھا مگر اب تقریر

عیب ضعف تالیف

تک میں کوئی نشا نہیں بولتا مگر زبردستی یوں ہی نظم کرنا۔ ضعف تالیف کی
ادب بھی مثالیں ہیں از آن جملہ ع پیکر محو کو مجھے دیکھ کے غشس آتا ہے۔
جو کو پیکر سے کون سی مناسبت ہو کاش صورت محو کہا ہوتا۔

از آن جملہ مناسبات سے زبردستی درگزر کر کے لفظ کا بے جگہ استعمال کرنا۔
آگے بیان میں کہیں ذکر تک لڑائی کا نہیں ہو مگر آغاز یوں کر نامثلاً ع
تیغ زباں سے کہتا ہے راوی یہ داستاں۔ علاوہ بے مناسبت کے تیغ
کا ٹٹی ہو نہ کہ کہتی ہے۔

تشبیہ کا غلط
استعمال

از آن جملہ برخلاف قواعد تشبیہ تشبیہ کا غلط استعمال کرنا مثلاً زعفران
دہن یا دریا سے زلف وغیرہ۔

عیب بے محل

عیب بے محل یعنی بے موقع لفظ کا لانا مثلاً ہرچہ باد اباد خوف کی جگہ
استعمال ہوتا ہے جیسے ع ہرچہ باد اباد ما کشتی در آب انداختیم۔ اسی
جگہ یوں کہنا ع ہرچہ باد اباد ہر میری خوشی کا آج دن۔

بجھدی نسبت

بجھدی نسبت کی کابے جگہ لانا ع پیکر محو کو بھلا سر سے کیا نسبت ہے۔
جھلا شراب باقد و قامت کجا یا جیسے ع برق بھی حیراں ہو تیرے
خندہ عارض سے آج۔ خندہ رو خندہ دہن البتہ مستعمل ہے نہ کہ خندہ عارض۔

رکیک و بد نما
استعارات

از آن جملہ اگھر تشبیہوں اور رکیک و بد نما استعاروں سے سیدھی سی
بات کو پیچیدہ کر کے سادگی کا خون کر دینا اور اپنے نزدیک بلند پر زری
کرنا مگر مطلب کو بھول بھلیاں میں ڈال کر لوگوں سے پھیلیاں بچھوانا
بعید القیاس استعارے یوں اختیار کرنا کہ سچ میں ایسے ایسے لوازمات

ہوں کہ ذہن سلیم الجھ کر رہ جائے اور یہ پتا نہ ہو کہ معنوی خوبی اس سے
 کیا بڑھی یا استعارہ کو یوں مذکور کرنا کہ استعارہ نہ معلوم ہو بلکہ
 عینیت پائی جائے جیسے کسی پہلوان کا استعارہ کوہ سے کر کے
 یوں کہہ دینا ع جب کوہ کے دامن میں چھپا جا کے وہ کافر
 مقصود یہ ہے کہ اُس پہلوان کے دامن میں چھپا اگر ع اُس کوہ کے
 دامن میں چھپا جا کے وہ کافر۔ تو عینیت کا دھوکا نہ ہوتا کھلا ڈالا
 استعارہ ہو جاتا۔ مذکورہ بالا یعوب بلاغت کی بہت سی مثالیں ہیں۔
 اب مثلاً کسی کے بارہ میں یہ کہنا ہے کہ وہ نہایت تیز روی کے ساتھ چلا
 اُس کو یوں ادا کرنا ع پاتا بہ پہن کر وہ چلا تیز روی کا تیز روی کو پاتا
 سے کیا نسبت ہے اور اس میں معنوی خوبی کیا نکلی ہاں بات بنانا دوسرے

اھری۔ ازاں قبیل

سر مہ آہ و فغان کھوں کا جل ہو گیا دو درنگ خ اڑا ایسا کہ بادل ہو گیا
 ازاں جملہ ع ناہمی شیطاں کی پکڑ ہاتھ میں تلوار یا مثلاً ع پھل چھری
 کی طرح سے چھوٹا اُس آتش خو کا دل۔ کتنی بھونڈی جید ہے۔

تعمیر معنوی جس کا ذکر اوپر ہوا جیسے ع رہتا ہے رات دن مرے طہر
 مثل ماہتاب۔ مقصود معشوق کی نور افشانی سے ہے مگر مثل ماہتاب
 کہہ کر معنی کو بعید کر دیا کیونکہ ماہتاب رات دن کسی جگہ نہیں رہتا
 ازاں قبیل ایسے مبالغوں کا استعمال کرنا جہاں پتہ نہ زمین میں لگے نہ آسمان میں
 واضح ہو کہ مبالغہ کی تین قسمیں ہیں تبلیغ۔ اغراق۔ غلو۔ تبلیغ

تعمیر معنوی

مبالغہ کا بیان

اُس مبالغہ کو کہتے ہیں جو قریب القیاس اور ہونا اُس کا ممکن ہو جیسے
 وہ انسان نہ تھا بلکہ اک دیو تھا انسان کو دیو کہنا مبالغہ تو ہے مگر
 قیاس کہتا ہے کہ ممکن ہے کہ کوئی آدمی قوی الجشتہ ہو کہ دیو دکھائی دے
 یا جیسے ع. تل دھرنے کی جگہ نہ رہی خط شوق میں یہ مضمون
 اشتیاق یہاں تک رقم ہوا۔ مبالغہ تو ہے مگر قیاس کہتا ہے کہ ممکن ہے تے
 اوپر ملی ملی ایسی سطریں ہوں کہ تل کھنے کی گنجائش نہ رہی ہو۔
 اغراق اُس مبالغہ کو کہتے ہیں کہ وہ بات قیاس کے اندر تو آئے مگر وقوع
 اُس کا غیر ممکن ہو جیسے گھوٹے کی سرعت کی تعریف میں کوئی یوں
 کہے ع. تار نفس پہ مثل ہوا دوڑتا پھرے ظاہر ہے کہ دنیا میں ایسے
 گھوٹے کا وجود ہے اور نہ یہ ممکن ہے کہ گھوڑا اسانس کے ڈوسے پر دوڑ
 سکے مگر قیاس چنداں استبعاد نہیں کرتا تیسری قسم غلو ہے یہ اُس مبالغہ کو
 کہتے ہیں کہ نہ وہ بات قیاس میں آئے اور نہ وقوع اُس کا ممکن ہو
 بلکہ محال عقلاً عادی دونوں ہو۔ گھوٹے کی تعریف میں عرفی کہتا
 ہے **ع** از کام شمرده خط نگاری بہ نقطہ نوک نیش کتر دم۔ یعنی
 لے گھوٹے بے چھو کے نیش کی نوک کے نقطہ پر تو اپنے قدم سے گن گن
 کر خط لکھتا ہے۔ فوراً ذہن اس بات کی طرف دوڑ جاتا ہے کہ چھو کے
 نیش کی نوک پر گھوڑا کیونکر کا واٹرن کر سکتا ہے بالکل ہی ناممکن
 و بعید از قیاس ہے اول الذکر دونوں اقسام مبالغہ میں تو کلام نہیں
 ہے یا غلو اس کی بھی دو قسم سمجھ لینی چاہئے ہر چند اس مبالغہ کی

تعریف ہی یہی ہے کہ محال عقلی و عادی ہو لیکن ایک قسم اس مبالغہ کی
یوں ہے کہ باوجود بعید القیاس اور عادت کے بالکل برخلاف ہونے
کے ترکیب بیان کی ایسے اسلوب سے ہو کہ بادی النظر میں محال عقلی نہ معلوم
ہو جیسے یہ مصرع۔ جب ٹاپ پٹری خاک سے پیدا ہوا پانی۔ گھوٹے کی
ٹاپ ایسی پٹے کہ کواں ہو کہ زمین سے پانی پھوٹ نکلے محال عقلی و
عادی تو ہی مگر بادی النظر میں مصرع کی ترکیب سے استبعاد نہیں معلوم ہوتا
برخلاف اس کے ۵ تاناک پھیل گیا آب مے روتے سے +
کف بنا پنبہ مہتاب مرے روتے سے۔ غرض اس کا تصفیہ کہ
کس موقع اور کس قسم کا مبالغہ خوشنما و دل کش ہوتا ہے اور کہاں
معمون بھدا ہو جاتا ہے علم معنی چنداں مدد نہیں کر سکتا البتہ
ذہن سلیم و مذاق صحیح ہی اس کی تمیز کر لیتا ہے اگر مذاق صحیح کے روتے
اس مقام پر وہ مبالغہ طبیعت کو انزجار پیدا کرتا ہے تو یوں سمجھنا
چاہئے کہ بلاغت کے بھی ضرور برخلاف ہوگا اگرچہ اس وقت وجود
عدم بلاغت کے ذہن میں نہوں۔

واضح ہو کہ اگر کوئی کلام نقائص بالاسے پاک اور محاسن بلاغت
رکھتا ہو تو اس کلام کی یوں تعریف کی جائیگی "اس کلام کے
سب الفاظ سلیس و شیریں و متین اور محاورہ فصحا کے مطابق ہیں
سلسلہ بیان اس کا درست و چست اور معنی کے اعتبار سے
عالی۔ متعقباتے حال سے ذرا بھی تجاوز نہیں ہے۔"

لغز کیسا ہونا چاہئے
بلاغت جانتے پائے۔

ابلاغ کی تعریف

کلام پلین تر

اب اگر عبارت مذکورہ سے بھی کوئی عبارت اپنے درجہ میں بڑھی ہوئی ہو تو لامحالہ اسکی تعریف یوں کریں گے اُس جملہ کے سب الفاظ شہریں موثر تر و نیکین و بامفرہ خاص خاص فصحاء اہل زبان جیسے جے تلے محاورات بے تکلفانہ بول جانے کے عادی ہو کرتے ہیں اسی طرح برجستہ طرز اداری نشست الفاظ ایسی عمدہ ہی کہ ذرا بھی اُس میں تقدیم و تاخیر نہیں کی جاسکتی اعلا درجہ کا حفظ مراتب ہی باعتبار معنی کے اسی وسعت ہی گو یا دریا کوزہ میں بند ہی ان تمام محاسن کے علاوہ اعلا درجہ کا نتیجہ خیز و فرحت انگیزی جس مضمون کو بیان کیا ہو مالو علیہ کے ساتھ پورا پورا اُس کا حق ادا کیا ہے۔

ہماری اردو زبان پر ایک یہ الزام سخت ہے کہ یہ زبان نسبت اور اور زندہ زبانوں کے تنگ بہت ہے اور وسیع زبانوں کی یہ خوبی ہے کہ ایک ایک معنی یا مفہوم یا سٹے کے لئے کئی کئی الفاظ ایسے زبان میں داخل ہیں کہ ایک ہی معنی کو کئی طرح کی عبارت میں ادا کر سکتا ہے علاوہ اس کے ذرا ذرا سے فرق میں الفاظ بدل جاتے ہیں مثلاً گھوڑے کی گردن ہے ہماری اردو میں گھوڑے کے سر کے بعد سے سینہ اور اٹلی پسلیوں تک گردن ہی کہا جائے گا مگر عربی میں متبہ سینہ اسی گردن کے ذرا ذرا سے فرق کے کئی سونا نام گنوائے ہیں۔ ہمارے یہاں سانپ کے یہی چند معمولی نام ہیں کالا گہمن۔ کر تیا۔ ناگ وغیرہ عربی میں ایک ہزار نام تک قلم بند کئے گئے ہیں ہمارے زبان میں

پچھلیوں کے یہی چند مشہور اقسام زبان زد ہیں رہو، بام، لال پڑا اور بھی
 پانچ سات ہیں مگر عربی میں دو ہزار سے زیادہ نام استعمال میں ہیں ہمارے
 کیاں شکر کے صرف چند نام زبان پر ہیں وہ بھی دوسری زبانوں کے صدقہ
 میں مدحی بادہ وغیرہ مگر عربی کے ادیتے اٹھارہ سو نام گئے ہیں۔ ان میں
 بہتر سے ایسے نام ہیں کہ ذرا ذرا سی صفت کی تبدیلی سے نام کا بدلنا ضرور ہوتا
 ہے وہاں ایک تلوار کے سات سو نام مذکور کئے ہیں یہاں انگلیوں پر گئے
 جاتے ہیں کچھ عربی پر منحصر نہیں ہے کہتے ہیں کہ سنسکرت بھی بہت وسیع زبان
 ہے۔ اس کے علاوہ صنایع کے ان کے اوزار، مرکوب و مشروب و مطعم و لبوس
 و مسکن وغیرہ وغیرہ میں جتنی چیزیں داخل ہیں اور ان کے جتنے وسیع لوازمات
 ہیں زندہ زبانوں میں ان کے تمام افراد کے جداگانہ نام اس طرح مخصوص
 ہیں کہ ایک نام کا دوسری چیز پر گو اس چیز کا بھی وہی مصرف یا قریب
 قریب متحد الاشکال ہوں اطلاق نہیں کیا جاسکتا۔ ایک گھڑی ہی کے
 پر زوں کو لیجئے جہاں تک معلوم ہے ہزار برس سے ہمارے یہاں اس کا
 قدم آیا ہے یورپ کی زبان میں اس کے جتنے پرئے ہیں سب الگ نام
 ہیں بیسیوں چرخ و چکر ہیں سب کے آسمان جداگانہ ہیں مگر ہم جب کسی خاص
 پرزہ کو بتایا چاہیں تو دو سطروں کی عبارت خرچ کرنی پڑتی ہے یہ تو
 معمولی چیزوں کا حال ہے چہ جا کہ اصطلاحات علم و فن۔ جو چیزیں غیر ملک
 سے آتی ہیں وہ اپنے اپنے نام بھی اپنے ساتھ لاتی ہیں۔ ایسی جگہ ہر زندہ
 زبان و آلون کا یہ دستور ہے کہ وہ اپنے لہجہ اور اپنے الفاظ کی مناسبت

کے ساتھ ان ناموں کی صوت کچھ نہ کچھ بدل کر اپنا کر لیتے ہیں۔
 ظاہر ہے کہ فارسی زبان کو اکثر زبانوں سے ممتاز و شیریں ہے مگر عربی و سنسکرت
 کے برابر وسیع نہیں ہے اس پر وہاں کے اہل زبان اور زبان دانوں نے
 یورپ کے مخصوص الفاظ کو اندک تغیر کے ساتھ لے لیا۔ تعریف یہ ہے کہ وہاں
 کے زبان دان گو ان زبانوں سے علماً واقف بھی ہوں مگر جب اپنی زبان
 میں ادا کریں گے تو اسٹیشن کو اسٹیشن ٹیلی گراف کو تلگراف تاریقی کو
 سیم تلگراف اسٹیم کو واپور مشین کو ماشین ہی کہیں گے اگر ان جدید الفاظ
 کی لغت کی کتاب ہو تو شاید غیثات اللغات کے حجم سے کم نہ ہو ہمارے
 کیاں باوجود امتداد سلطنت انگریزی کے بجز چند معمولی اسماء کے کسی ایک
 کو بھی اپنی زبان میں نہیں لیا گیا ہاں جو حضرات انگریزی جانتے ہیں وہ بھی
 اپنی زبان بولتے وقت ناچار بعینہ اسی لفظ کو استعمال کرتے ہیں۔
 ہمارے یہاں کی جماعت فصحا (جس کو اپنے اہل زبان مونی کا دعویٰ ہے)
 چاہتے یوں تھا کہ تدارک اس فروگزاشت و الزام کا کرتی مگر یہاں تو
 یہ حالت ہے کہ تنگ خیالی کے سبب سے خود اپنے ہی اچھے خاصے متعلم زبان
 الفاظ کو بھی کہیں غیثات اللغات دیکھ کر کہیں بنا پر اپنے ہی مذاق کے
 متروک بنا کر اپنی من گڑھت کی بنا پر دوسروں پر اعتراض جمادیا کرتے
 ہیں اور نہیں سمجھتے کہ الفاظ متروک بحسب قاعدہ علم اللسان فطراناً زبان
 سے نکلتے جاتے ہیں یہاں تک کہ ایک مدت معین میں جنب اور بھیانک
 ہو کر زبان سے خارج ہو جاتے ہیں۔ برخلاف اس کے نئے الفاظ ہیں

ان کے استعمال میں وارد اور عادت کو زیادہ دخل ہو، مفید حشی کی طرح جلد
دام میں نہیں آتے پھر جب آجاتے ہیں تو مانوس ہو کر اجنبیت اُن کی جاتی
رہتی ہے۔

مگر انصاف سے درگزر کرنا نہ چاہئے قصحائے ہند نے اس بارہ میں اپنا
رستہ خود بہت کچھ تنگ کر رکھا ہے مثل مشہور ہے کہ ضرورت مادرِ ایجادات
ہے ساتھ اس کے کہ دو کوشش و آزادی رائے و خرچ کافی ہر چیز کے
ایجاد و رواج دینے میں لوازمات سے ہیں۔ ہمارے یہاں فقط تا نہ اس
بارہ میں کہہ رہے ہیں کہ بڑے بڑے کارخانے ہیں جن کی ضرورتیں ہم کو اپنی
زبان کے وسیع کرنے میں مجبور کریں نہ اہل علم کو اس طرف توجہ ہے کہ
اصطلاحات علمیہ کو اپنی زبان میں لیں اور تحریر اُن کو پھیلائیں البتہ
ملک میں جن جن کو شاعری کا چسکا ہے اور محو و خیالات کے ادا کرنے
کی اُن کو ضرورت ہے بایںکہ اُن کی مادری زبان اُردو اور اُن
کی جماعت میں اس زبان کے فصحا موجود بھی ہیں مگر ایسے لوگ
بھی کسی خاص جگہ کے مسطحی بھیر فصحا کی زبان کی تقلید بیٹراٹھا
ہوتے ہیں۔ اُن سے اس بات کی امید رکھنا کہ وہ ترقی ایجاد الفاظ
میں کوئی حصہ لیں گے قیاس مع الفارق ہے ایسے حضرات خود جو
ہر طرح فصیح و صحیح الفاظ بولا بھی کرتے ہیں بلکہ اُن کے تمیز دار اُردو
بولنے والے کثرت سے استعمال کیا کرتے ہیں تنگ خیالی سے اُن الفاظ
کے استعمال کو بھی اس بنا پر غلط بتا دیتے ہیں کہ فلاں جگہ اس لفظ کو

یوں نہیں بولا جاتا۔ حالانکہ اوپر کے بیان میں ضمناً اس بارہ میں کچھ لکھ بھی چکا ہوں اور انشاء اللہ آئندہ تفصیل کے ساتھ اور بھی لکھوں گا۔

میرے مذکورہ بیان سے کوئی صاحب یہ گمان نہ کریں کہ میں کسی خاص جگہ یا جماعت کی نکتہ گیری کر کے تمام قیودات فصاحت و بلاغت کو اٹھا کر یہ خود بنایا جاہتاں ایسا نہیں ہے بلکہ میں تو خود اکثر مقام پر صحاح کے محاورات کی پابندی کیا کرتا ہوں میری غرض یہ ہے (جیسا کہ میں اوپر بھی بجملاً کہہ آیا ہوں) کہ جس جس ملک میں جو زبان بولی جاتی ہے ہر چند یکساں ہو مگر مختلف شہروں کے فصحا کے محاوروں میں چیدہ چیدہ جگہ چھینہ کچھ اختلافات ضرور ہوتا ہے (یہاں صرف ونحو کے قواعد سے برخلاف بول جانے سے غرض نہیں ہے کیونکہ چاہے کیسا ہی فصیح کیوں نہ ہو اگر قواعد صرفی ونحوی سے تجاوز کر جائے گا تو یقیناً غلط ہو گا غرض بعض محاوروں اور بعض اسما اور بعض مذکر و مؤنث سے ہے ایسا جزوی اختلاف نہ فقط مختلف شہروں کے طبقہ میں بلکہ مستند ترین فصحا میں بھی (ہر ایک ہی شہر میں بہتے ہیں گو بہت کم سہی) مگر ضرور ہوتا ہے بنا بر قول وہاں مشاہرت فی الادمیاء ایسا جزوی اختلاف قابل اعتنا بھی نہیں ہے۔ اس اردو زبان پر کیا منحصر ہے مملکت ایران سے قطع نظر کر کے عربستان کو دیکھو فصحاءے حجازا فصیح اللسان مانے گئے ہیں لیکن اکثر جگہ فصحا یمن کے اور ان کے محاوروں میں اختلاف ہو گیا ہے دور کیوں جاؤ قرآن سے سب سے پہلے نظر کرو کہ قرأت میں اختلاف یمن ہے اس کے لئے نہ ایک دوسرے پر کوئی اعتراض کرتا ہے نہ یہ لازم ہے کہ اہل یمن اہل حجاز کی کل محاوروں میں

تقلید کریں اور اگر اپنی خاص جماعت کے محاورہ کی پیروی کریں زبردستی
 مورد الزام بنائے جائیں۔ مطلب یہ ہے کہ انسان کی ضرورتیں نامحور و
 ہیں ایسی تقلید نچھ نہیں سکتی خواہی خواہی ایسی عام تقلید سے اکثر انسان
 مورد الزام ہوا کرے گا اور اس کو بے وجہ ہمیشہ اوروں کا کاسہ لیس رہنا
 پڑے گا۔ اچھے ستھرے دل پسند چیدہ چیدہ محاوروں کی کہیں کہیں تقلید
 کرنا بیجا نہیں ہے بشرطیکہ اس تقلید کا پورا حق ادا کرے نہ یہ کہ بعض جگہ
 کے فصیح کو اپنے محل پر یوں بولتے ہوئے سنا (کہ فلاں کا حال اب پتلا ہے)
 تقلید اغزل کا مصرع یوں نظم کیا گیا ہے روتے روتے ہجر میں حوال
 پتلا ہو گیا۔ اس قسم کی اندھی تقلید انسان کو ہنسواتی ہے بہر حال
 و للناس فیما یعشقون مذاہب یہ بات بھی یاد رکھنے کے
 قابل ہے کہ مختلف ملکوں اور مختلف قوموں کے خصوصیات و رسمیات
 ایسے جداگانہ ہوا کرتے ہیں کہ وہی خصوصیت و رسم دوسرے ملک اور
 دوسری قوم میں برخلاف اخلاق و تمیز سمجھی جاتی ہے مثلاً بوسہ لینا عرب
 بلکہ ایشیا کے بعض ملکوں اور بعض شہروں خصوصاً مملکت ایران ^{ایران} و
 میں ایک مقبول و مستحسن رسم ہے بچوں بوڑھوں ہی کا بوسہ فقط نہیں جو ان
 اور دو تیزہ اور ہر نظر عورتوں تک کا مجمع میں منہ چوم لینا خسار و دہن
 تک کا بوسہ بہ کمال شوق لے لینا کچھ بھی معیوب نہیں ایک معمولی بات
 ہے۔ مگر ہندوستان میں بڑوں کا قدم چومنا یا بچوں کا منہ چومنا تک تو
 خیر لیکن عورتیں خصوصاً جو ان عورت کے رخسار و دہن لب وغیرہ کا

بوسہ لینا سخت عیب ہے یہاں تک کہ باپ اپنی جوان بیٹی تک کے بوسہ لینے سے
 اجتناب کرتا ہے چہ جائے کہ عام مجمع میں اہل تمیز مخصوص نہیں ہے گنوار سا گنوار
 بھی بے حیائی جانتا ہے۔ ایسی حالت میں تمیز داروں کو لازم ہے کہ اپنے لٹریچر
 تک میں اس کا لحاظ رکھیں نقل قول غیر میں اگر ضرورت آجائے تو کسی قدر
 مجبوری ہے مگر قصداً مخصوص معشوق کے دہن و رخسار کی بوسہ بازی کو صفا
 صفا غزلوں میں نظم کرنا اور پھر اس کو نہ فقط بے تکلف ہم عمروں میں
 پڑھنا بلکہ بیٹے کا باپ کے سامنے اور باپ کا بیٹے کے آگے منے لے لیکر
 پڑھنا اور ایک دوسرے کی تعریف کرنا کس قدر رکیک ہے اسی ایک
 بوسہ دہن و رخسار پر کیا ہے صریح صریح سے معشوق و مد نظر کو گلے سے
 چٹا لینا وغیرہ پھر ایسے لٹریچر کو بے تکلف اہل تمیز کے سامنے پڑھنا بھی
 مقتضی حال جماعت فصحاء کے نہیں ہے البتہ شاعر یا مضمون نگار پر ایہ
 تہذیب و آدمیت سے گزر کر ضرورت اگر ایسے مضامین لگ نظم کرے
 اور غلط گفت سے احتراز ہے تو ویسا مضائقہ نہیں ہے مگر احتیاط یہ ہے کہ
 جو مضمون چھپانے کے قابل ہو چھپا کر بھی اس کو استعمال نہ کرے اگر دیکھے
 تو یہ بھی اعلا درجہ کی بلاغت کے تحت میں ہے۔ میرے اس بیان کے
 جواب میں اساتذہ کی مثال دیکر جائز الاستعمال بتا دینا اور بات ہے اور
 کھڑے دل سے غور کر کے انصاف کرنا اور ہے۔ اساتذہ بلاشبہ ہمارے
 واجب التکریم ہیں مگر ان کے غلط قول ہمارے لئے واجب العمل نہیں
 ہیں اگر یہی ہو تو اصلاح کا رستہ بالکل بند ہو جائے۔

شعر کی تعریف تیار اقوال علماء ادب عربی

شعر کی تعریف میں یوں کہا گیا ہے کہ شعر کلام موزوں و مقفے کو کہتے ہیں کہ قائل نے بالقصد نظم کیا ہو اس تعریف میں آخر کی دو قیدیں زائد معلوم ہوتی ہیں کیونکہ اگر ایک ہی شعر ہو تو قافیہ کا پتا (جسکی تعریف میں کہا گیا ہے کہ پیاد لایا جائے) نہ لگے گا اور اشعار جو بے اختیارانہ انسان نظم کر دیتا ہے شعریت سے نکل جائیں گے اس لئے تحقیق مقام یوں ہے کہ شعر اسی کو کہیں گے کہ وزن مقررہ میں سے کسی وزن میں ہو رہا مقفے یا بالقصد کہا جانا اس کا وصف اضافی ہے۔

شعر کی ضرورت

چونکہ انسان بالطبع بہ نسبت نثر کے نظم سے مانوس ہے۔ یہاں تک کہ اگر کسی مضمون کو نثر میں ادا کیا جائے اور ہو ہو وہی مضمون لے لیں نشست کے ساتھ موزوں کر دیا جائے تو بہ نسبت نثر کے کہیں زیادہ موثر ہوگا اور پر بیان ہو چکا ہے کہ عام طریقہ سے اگر دیکھے تو منہ سے جو آواز نکلتی ہے اسی کا نام شعر ہے اور سروس ہی کو باقاعدہ نشست دیکھتے تھے کا نام اچھا گانا ہے اور گانا بالطبع موثر ہے اسی طرح الفاظ کو نشست اور ترتیب دیکر وزن مقررہ کے اندر لانے کا نام شعر ہے یہ ترتیب الفاظ بھی اسی طرح طبعاً موثر ہے اس مناسبت کو دیکھ کر کہا جاسکتا ہے کہ جو ضرورت موسیقی

اور گانے کی ہر وہی ضرورت شعر اور شعر گوئی کی ہے۔ یہاں تک کہ کوئی قوم کوئی زبان دنیا میں ایسی نہیں ہے کہ گانے یا شعر گوئی سے خالی ہو۔ اگر بڑے بڑے موسیقی داں اور کلاونٹ اور خوش آواز خود جوش میں آکر یاد دوسروں کو جوش دلوانے کے خیال سے اپنا کمال دکھاتے ہیں تو ایک محض گنوار اور جاہل سن رسیدہ عورت بھی چلی گھماتے وقت اپنی زبان میں وہ وہ دل کش سُر پیدا کرتی اور تانیں نکالتی ہے کہ دل بے اختیار (بہ شریک وہ آواز سُر ملی ہو اور بول بھی سمجھ میں آئے) جوش میں آجاتا ہے۔ اگرچہ شعر کو یہ عالم گیر بابت تو نصیب نہیں ہے مگر حضرت امیر خسرو نے اس بارہ میں اپنا فیصلہ صادر فرمایا ہے وہ بہت ہی صحیح ہے وہ کہتے ہیں کہ گانا بغیر شعر کے محض طعام بنے گا کہ اگر انسان صرف یا ہا ہو ہو ہی کے سُر لگایا کرے تو اس کا اثر ہی کیا ہوگا جب تک بول نہوں اور بول بھی ہوزوں ہونے چاہئیں کہ کانوں کو بھلے معلوم ہوں۔

فنون لطیفہ
و شاعری

بعض وسیع لہجہ انہر تک کو بلکہ مصوری وغیرہ فنون لطیفہ کو بھی کھینچ تان کر شاعری میں داخل کرتے ہیں اور بعض آزاد خیال لہینگ ورس کی تقلید کرتے اشعار بے قافیہ کہنے کی فرمائش کرتے ہیں مگر ہمارے خیال میں ایسی سجت ہر آزاد ہی اس لئے یہ دونوں باتیں ہماری بحث سے خارج ہیں۔

یہی یہ بات کہ شعر کے فوائد اور مصرف اور کام از روئے فلسفہ کیا ہیں تو یوں سمجھنا چاہئے کہ انسان میں دو طرح کے قوا ہیں ایک رذیلہ و بہیمہ دوسرے قوائے ملکوتیہ۔ انسان ان دونوں قوا سے کام لیا کرتا ہے اور انھیں دونوں

قوا کو اعتدال پر رکھنا آدمیت اور دوسرے لفظوں میں یوں کہا جاسکتا ہے
کہ انہیں قوا کی بدولت انسان سعادت و شقاوت حاصل کرتا ہے۔

قوائے ملکو تہ میں مثلاً قوائے شجاعت سخاوت ہمت کرم عدالت خدا پرستی
معرفت الہی حرمت حیا خودداری محبت وغیرہ اعدا صفات انسانی میں
داخل ہیں اور ذائل میں مثلاً بخل ظلم تعصب بیجا دروغ گوئی شقاوت

نفسانیت ارتکاب گناہ کبیہ وغیرہ وغیرہ داخل ہیں۔ بالفعل اگر یہ
قوا (جن سے کم و بیش کوئی انسان خالی نہیں ہے) معطل ہو گئے ہیں

یا کسی سبب سے اصلی و بطورنی یا خارجی کے پتچے میں گرفتار ہو کر دبے ہوتے ہیں
تو شعر کا یہ کام ہے کہ دفعۃً (جس قوا کو متنبہ کرنے کے مضمون کا وہ شعر

ہے) اُس قوا کو چونکا دے۔ اچھا اور سب طرح سے درست فصیح و بلیغ
شعر گو یا قوائے نیک و بد باطنی کے متنبہ کرنے کا آلہ ہے چاہے اس کی تاثیر

دیر پاتا ہو مگر جس قدر جلد اور برقی اثر یہ آلہ پہنچاتا ہے اور کسی میں یہ
بات نہیں ہے۔ اس میں بھی جو شعر جس رتبہ کا ہے تا میں بھی نسبت

اضافی رکھتا ہے ساتھ اس کے انسانی طبائع بھی مختلف ہیں اس لئے
تائیریں بھی مختلف ہوا کرتی ہیں فرض کرو کہ ایک شخص کے قوائے

ملکو تہ میں سے قوت عدالت دراصل اور قوا کی نسبت بڑھی ہوئی ہے
ایسے شخص کے اس قوا کو وہ شعر جو رتبہ عدالت ہی بہت جلد چونکا دے گا

یا مثلاً فی نفسہ اُس کے قوائے معرفت و عشق الہی قوی ہیں لامحالہ
اس مضمون کا اچھا شعر اُس کے قوائے معرفت کو تیز تر کر دے گا۔

اب برخلاف اس کے لہجے قوائے رذیلہ و پھیمہ کو جوش میں لانے کے
 اشعار میں مثلاً قوائے فسق و فجور و ہوس رانی کے یاد دلانے اور جوش
 میں لے آنے کے اشعار میں یا زنان قاہرہ و بازارِ ری کے مخصوص ناز
 کرشمے نخرے وغیرہ جو محض اپنے پیشے اور زرکشی کے لئے ہوتے ہیں کسی
 شعر میں جستگی کے ساتھ نظم کئے جائیں تو ضرور ہو کہ قوت فسق و فجور
 کو جوش میں لے آئیں (علیٰ الخصوص نوجوانوں میں یہ قوت قوی ہو کر رہتی
 ہے) ان پر بہت جلد تاثر ہوگی اور زہر کا کام کریں گے۔

گلے سلاطین و جنگ جوہر خوانی اور میدان جنگ میں کڑکے کہواتے
 تھے یا سلاطین عجم اپنی صحبتوں میں شاہ نامہ و جنگ ستم و اسفندیار
 کے اشعار پڑھوایا کرتے تھے اُس سے یہی تو مطلب تھا کہ قوائے
 شجاعت و بہادری کو جوش میں لائیں۔ بلکہ ایسے وقت اس مضمون
 کے اشعار بے حد کام دیا کرتے تھے حتیٰ کہ ایک نامزد بھی مرد بن کر
 دینے میں پس و پیش نہ کرتا تھا۔ ایسا اثر کسی اور تدبیر سے
 نہیں ہوتا۔ ممکن تھا تاریخ و کتابوں میں بیشتر اس کے شواہد ملتے ہیں متوفی
 کے لئے مرانی اور غم انگیز طرح طرح کے مضامین کے اشعار بھی اس بنا پر
 قوتیں کئے جاتے اور پڑھے جاتے ہیں کہ سامعین کے قوائے غم کو
 جوش میں لائیں ایسے مقام پر شخص متوفی کے اوصاف و عباد کو مختلف
 انداز میں بیان اور نظم کرنے سے یہی مطلب ہوتا ہے کہ متوفی کے ساتھ
 ہم دردی پیدا ہو کر قوائے غم پر زیادہ تاثر کرے۔ کم سے کم یہی کہ

زندھی ہوئی صحبت اور افسردہ دل کو اچھا شعر حرکت میں لے آتا ہے اور
 طبیعتوں کے رنگ بدل دیا کرتا ہے بغرض کہ اچھے شعر سے وہ کام لیا جاسکتا
 ہے جہاں دولت اور تلوار بھی در ماندہ ہو جاتی ہے بغرض شعر کی تاثیر
 کی ایسی ایسی داستانیں ہیں کہ سن کر انسان کو حیرت ہو جائے (اس سے
 زیادہ اس بیان کی یہاں گنجائش نہیں ہے انشاء اللہ غزلوں کے
 ذکر میں اس کے متعلق مضامین ضروری کو عرض کیا جائے گا)
 شعر کے کام اور مصروف کے بالاجمال سمجھ لینے کے بعد یہ بات بھی
 یاد رکھ لینی چاہئے کہ یہ کام وہی اشعار دیتے ہیں جو بحیثیت اپنی خوبی
 کے شعریت رکھتے ہوں ورنہ بعض قوا کے جوش میں لاسنے کے
 اور بھی زندھا دیں گے۔

شعر

حکمائے یورپ نے اپنی اپنی زبانوں میں شعر کے داخلی و خارجی اوصاف کے
 بیان میں بہت کچھ دقت نظر سے کام لیا ہے مگر افسوس ہے کہ میں ان
 زبانوں کی نابلدی کے سبب اتنا بھر مستفیض نہیں ہو سکا۔ بیان واضح
 مقام پر اس سے کام لے سکوں رہا ترجمہ تو اہل علم کے ہوتے ہیں۔
 جانتے ہیں کہ اول تو جس افراط سے اس کی نسبت مضامین لکھے گئے ہیں
 سب کا ترجمہ دشوار ہے دوسرے جب تک کہ خود اس زبان سے ماہر
 نہ ہو محض ترجمہ اور سنی سنائی باتوں سے وہ بابت پیدا نہیں ہو سکتی
 جس کی ایسے موقع پر ضرورت ہے۔ ہا این ہمیشہ شیخ الرئیس بو علی سینا اور
 محقق خواجہ نصیر الدین طوسی سے حکمائے اسلام نے اچھے شعر کی جو توجہ

کی ہر وہ بھی ایک ناقد کے وسعت خیال کے لئے کچھ کم نہیں ہر شیخ صاحب
 فرماتے ہیں، "هوان يكون الكلام عذب الالفاظ سهل التركيب
 حسن السبك خالياً عن التكلف والعقادة يكا ديسيل من
 رفته وينحدر انحدار الماء في انسجامه ولا يتكلف في
 بشئ من انواع البديع الا ما جاء عفوا من غير قصد"
 مطلب یہ ہے کہ کلام میں شہسب الفاظ سہل ترکیبوں کے ساتھ ہوں
 (نہ کہ پہلی ہو جائے) ذہن پر گرائی نہ کریں کلف زائد اور تعقیدوں سے خالی
 ہوں بندش و محاسن الفاظ سے ایسے رواں ہوں گویا پانی کی ایک سیل ہو کہ
 رو میں چلی جاتی ہے صنعت بے کلف آجائے تو ضائقہ نہیں ہے۔

خواجہ صاحب ارشاد کرتے ہیں، "والشعر التام يحاكي بالكلام المحيّل
 وبالوزن وبالنغمة المناسبة ان قادرنتها والكلام يحاكي
 اما بالالفاظ والمعنى او بصماوكل واحد منهما اما بحسب
 النسب جملة فاما الالفاظ تحاكي جوهرها اذا
 كانت يصبغة جزلة والمعنى تحاكي اذا كانت سهل التركيب
 لطيفة ثريب لفهم والادراك وهما اذا كانت العبارة
 بليغة ادت حتى المعنى اللطيف من غير زيادة او نقصان
 واما المحاكات او يحسب الحيل نهي التي تسمى بالبديع
 والصنعة والاستعارة والتشبيه من المحاكات اما الكلام
 خالياً من المحاكات وسرعة الافهام تسمى خرافات

وہ ہر ماں تھی تاملے ،

خلاصہ مطلب یہ ہے کہ پورا شعر وہی ہے کہ خیال پاکیزہ ہو وزن مناسب رکھتا ہو اگر نغمہ کے ساتھ ادا کیا جائے تو اور بھی لطف ہے (یہ بھی معلوم ہے) کلام باعتبار الفاظ کے یا اپنی خوبیاں بیان کرتا ہے یا باعتبار معنی کے اپنے محاسن کو دکھاتا ہے یا باعتبار الفاظ و معنی دونوں کے اور ان میں سے ہر ایک محض اپنے جوہر (یعنی اصلیت کے) اپنی خوبیاں ظاہر کرتا ہے یا بحسب حیلوں کے (اس کی توضیح بعد کو معلوم ہوگی) لیکن یاد ہے کہ باعتبار الفاظ کے شعر کی جب ہی خوبی واضح ہوگی کہ فصیح و جریبہ و سلیس ہو (نہ کہ ذہن کو الجھائے) اور یہ خوبی اُس کے الفاظ کے جوہر ہی میں ہو اور باعتبار معنی کے تب ہی لائق مدح ہوگا کہ ترکیب سہل ہو لطیف ہو اور قریب الفہم و الادراک ہو اور باعتبار الفاظ و معنی کے بلوغ ہو اور جو مضمون اور معنی اس میں رکھے گئے ہیں بے کمی و زیادتی کے پوری طرح اس کا حق ادا کرے (یعنی ادھر ٹہر چھا جائے اُس کے ہو جائیں نہ یہ کہ سر کا پسینا پاؤں کو آجائے لیکن ایک معمولی بات ہو الفاظ کے پنج پینچ اور بد ترکیبی کے اندر چھپا دیا جائے اور سمجھ میں نہ آئے حالانکہ آدھ روز زبان میں ہو) پھر فرماتے ہیں کہ ان کے علاوہ حیلوں سے بھی شعر کی خوبی ظاہر ہو سکتی ہے اسی کا نام بدیع اور صنعت ہے اور ستعارہ و تشبیہ سے بھی شعر کی خوبی ظاہر کی جا سکتی ہے (اگرچہ یہ چیزیں شعر کے صنفِ زاہدین داخل ہیں) پھر کہتے ہیں کہ جو شعرا ان خوبیوں کو ظاہر نہ کرے

اور سمجھ میں بہ سہولت نہ آئے تو وہ خرافات میں داخل ہو کر لفظ و کلمہ کی
اس کی ظاہر میں خوشنما ہو۔

مؤلف کا قوال

راقم کہتا ہے کہ محقق علیہ الرحمہ نے اپنی عبارت میں حیل کا لفظ اختیار
کیا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ حیلوں اور زائد تبیروں سے شعر کی خوبی
ظاہر کی جائے اس کی بھی دو قسمیں ہیں ایک تو وہی جس کو محقق نے
خود بیان کر دیا یعنی صنائع وغیرہ شعر کے اندر داخل کئے جائیں جو سری
قسم حیلے کی یہ ہے کہ آواز اور جوارح سے کام لیکر حیلے کئے جائیں مثلاً ہنوز
شعر زبان پر نہیں آیا ہے اور پہلے ہی آہ اور ہائے کرنے لگے تاکہ سامعین
پر شعر کے دل گزار ہونے کو ثابت کریں یا مثلاً شعر پڑھتے وقت سینہ پر
ہاتھ رکھ رکھ کر دہرے ہو جاتے ہیں یا مثلاً شعر پڑھتے وقت آٹوہ
یا ایسا کلمہ استعمال کر رہے ہیں جس سے یہ معلوم ہو کہ اس شعر میں جتنی خوبی
ہیں وہاں تک سامعین کا ذہن نہیں پہنچتا یا مثلاً حد اعتدال سے
زیادہ آواز اُپت اور بلند کر رہے ہیں یا بہر لفظ کو ہاتھوں اور
آنکھوں سے اظہار کرتے ہیں کہ صاف بناوٹ پائی جاتی ہے اگر یہ تمام
حیل اعتدال سے بڑھ جائیں تو معیوب ہیں نہ مقبول کیونکہ جو شعر اور
اصلیت شعر میں اخل نہیں اگرچہ مذکورہ بالا دونوں اقوال مدعا کے
لئے کافی ہیں مگر پھر بھی واقفیت ناظرین کے لئے علمائے ادب
و شاعری کے اور بھی چند اقوال نقل کئے جاتے ہیں۔ سلاست و روانی
اشعار کی خوبی کو بیان کر کے سکا کی کہتا ہے، "السلام اذا العجاہ

وہیما تکیوں املے ،

خلاصہ مطلب یہ ہے کہ پورا شعر وہی ہے کہ خیال پاکیزہ ہو وزن مناسب رکھتا
 ہو اگر نغمہ کے ساتھ ادا کیا جائے تو اور بھی لطف دے (یہ بھی معلوم ہے)
 کلام باعتبار الفاظ کے یا اپنی خوبیاں بیان کرتا ہے یا باعتبار معنی کے
 اپنے محاسن کو دکھاتا ہے یا باعتبار الفاظ و معنی دونوں کے اور ان میں سے
 ہر ایک محض اپنے جوہر (یعنی اصلیت کے) اپنی خوبیاں ظاہر کرتا ہے یا
 بحسب جملوں کے (اس کی توضیح بعد کو معلوم ہوگی) لیکن یاد رہے
 کہ باعتبار الفاظ کے شعر کی جب ہی خوبی واضح ہوگی کہ فصیح و جریبہ
 و سلیس ہو (نہ کہ ذہن کو الجھائے) اور یہ خوبی اُس کے الفاظ کے جوہر
 ہی میں ہو اور باعتبار معنی کے تب ہی لائق مدح ہوگا کہ ترکیب سہل ہو
 لطیف ہو اور قریب الفہم و الادراک ہو اور باعتبار الفاظ و معنی کے بلیغ ہو
 اور جو مضمون اور معنی اس میں رکھے گئے ہیں بے کمی و زیادتی کے پوری
 طرح اس کا حق ادا کرے (یعنی ادھر ٹپچا جائے اُس کی بیانی واضح
 ہو جائیں نہ یہ کہ سرکاپسینا پاؤں کو آجائے لیکن ایک معمولی بات کو
 الفاظ کے ایچ بیچ اور بد ترکیبی کے اندر چھپا دیا جائے اور سمجھ میں نہ آئے
 حالانکہ اردو زبان میں ہو) پھر فرماتے ہیں کہ ان کے علاوہ جملوں سے
 بھی شعر کی خوبی ظاہر ہو سکتی ہے اسی کا نام بد بیچ اور صنعت ہے اور استعارہ
 و تشبیہ سے بھی شعر کی خوبی ظاہر کی جا سکتی ہے (اگرچہ یہ چیزیں شعر کے صنف
 زائد ہیں داخل ہیں) پھر کہتے ہیں کہ جو شعر ان خوبیوں کو ظاہر نہ کرے

اور سمجھ میں بہ سہولت نہ آئے تو وہ خرافات میں داخل ہو کر یہ لفاظی دیکھیں۔
اس کی ظاہر میں خوشنما ہو۔

مؤلف کا تو ا

راقم کہتا ہے کہ محقق علیہ الرحمہ نے اپنی عبارت میں حیل کا لفظ اختیار کیا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ حیلوں اور زائد تبیروں سے شعر کی خوبی ظاہر کی جائے اس کی بھی دو قسمیں ہیں ایک تو وہی جس کو محقق نے خود بیان کر دیا یعنی صنائع وغیرہ شعر کے اندر داخل کئے جائیں اور دوسری قسم حیلے کی یہ ہے کہ آواز اور جوارح سے کام لیکر حیلے کئے جائیں مثلاً ہنوز شعر زبان پر نہیں آیا ہے اور پہلے ہی آہ اور ہائے کرنے لگے تاکہ سامعین پر شعر کے دل گداز ہونے کو ثابت کریں یا مثلاً شعر ٹپکتے وقت سینہ پر ہاتھ رکھ رکھ کر دہرے ہو جاتے ہیں یا مثلاً شعر ٹپکتے وقت اُتوہ یا ایسا کلمہ استعمال کرتے ہیں جس سے یہ معلوم ہو کہ اس شعر میں جتنی خوبیاں ہیں وہاں تک سامعین کا ذہن نہیں پہنچتا یا مثلاً حد اعتدال سے زیادہ آواز اکپست اور بلند کرتے ہیں یا بہرہ لفظ کو ہاتھوں اور آنکھوں سے اٹکاتا ہے ہیں کہ صاف بناوٹ پائی جاتی ہے اگر یہ تمام حیل اعتدال سے بڑھ جائیں تو محبوب میں نہ مقبول کیونکہ جو شعر اور اصلیت شعر میں داخل نہیں اگرچہ مذکورہ بالا دونوں اقوال مدعا کے لئے کافی ہیں مگر پھر بھی واقفیت ناظرین کے لئے علمائے ادب و شاعری کے اور بھی چند اقوال نقل کئے جاتے ہیں۔ سلاست و روانی اشعار کی خوبی کو بیان کر کے سکالی کہتا ہے، "الکلام اذا احتاج

الایعنی فاعلمہ اَنَّهُ بِکَلَامِ مَعْنٰی جِب کَوْنِی کَلَامِ پُرْمَعْنٰی کَ بَعْدِ مَعْنٰی
بیان کرنے کا محتاج ہو جائے (یعنی سامع کی سمجھ میں نہ آئے
تو سمجھ لو کہ بے معنی ہے)

عبدالرحیم خان خاناں (جو کئی زبان کے عالم و شاعر تھے اور جن کے
خوان فیض سے ملا نظیری ملا عرفی وغیرہ وغیرہ نامی گرامی اساتذہ نے
پرورش پائی) ان کا قول ہے کہ اُنچہ من در یک بار نفہم باید
دانست کہ مہمل است۔

ملا رشید الدین و طو اظہتا ہے کہ کلام منقسم بر دو قسم است یکے آنکہ الفاظ
و ترکیبش مطابق قاعدہ فصاحت و از غایت فصاحت و بلاغت
بحریت بے کنار و قسم دیگر کہ از قواعد فصاحت و سلاست دور افتادہ
حضرہ ایست پر از قازورات، اسی بنا پر انوری کے بعض مشکل ترکیبوں کے
شعر کے بارہ میں (اگرچہ ایسے شعر بہت ہی کم ہیں) کہتا ہے کہ او شاعر
نیست چہیستاں گویت، بعض نے پڑ کر ایسے اشعار کی نسبت جنس میں علا
پیداگی کے الفاظ بھی ثقیل ہوں خود صاحب کلام کی شاہ میں کہا ہے
معینش بشاش و بر الفاظ اوبری

ملا ابوالبرکات آصفی اپنی کتاب عقد اللسان میں جو کچھ لکھ گئے ہیں اس کا
ترجمہ ملاحظہ ہو، وصف ذاتی شعر کا یہ ہے کہ معنی بلند کے ساتھ ترکیب ادا
سے تصویر کھج جائے اور بلاغت کے تمام حق ادا کئے جائیں الفاظ اور
ترکیب ایسی مہمل و رواں ہو کہ اس زبان کے سب بولنے والے سمجھ لیں کہ

یہ کلام ہماری زبان میں ہی ہر چند نابلدی کے سبب اُس کی توہمیں کو پوری طرح نہ سمجھ سکیں۔

فاضل یزدی علامہ جلال الدین دوانی کے اس مطلع کی شرح میں روئے بکشا کہ جہاں صورت انکار گرفت ۴ صیقلی زن کہ مرآئینہ زنگار گرفت کہتے ہیں جس کا ترجمہ یہ ہے کہ وصف ذاتی شعر کا یہ ہے کہ الفاظ فصیح و مانوس و ترکیب آسان بلوغ کے ساتھ نشست جلوں کی ایسی رواں اور آسان ہو کہ سننے والوں پر گرانی نہ کرے۔ علامہ موصوف کی تعریف میں کہتے ہیں کہ علامہ دوانی کا یہی بہت بڑا کمال تھا کہ مسائل مشککہ فلسفہ اخلاق کو ایسی آسان اور سہل بندشوں کے ساتھ نظم کرتے تھے کہ ہر بچہ خواں سن کر وجد کرتا تھا۔

ملا محمد فائق اپنی کتاب مخزن الفوائد میں لکھتے ہیں جس کا ترجمہ یہ ہے کہ جوہر ذاتی شعر کا یہی ہے کہ جب پڑھا جائے سننے والوں کے دلوں کو انشراح بخشنے اور قلوب کو جذب کر لے نہ یہ کہ شرح کرنے کا محتاج ہو یا حیلوں کے ساتھ اُس کی خوبیاں بتانے کی احتیاج ہو (واضح ہو کہ خارجی حیلوں کی شرح محقق مطوسی کی عبارت مذکورہ بالا میں آچکی ہے اور راقم نے بھی اُس کی توضیح کر دی ہے) اس جگہ ملا محمد فائق نے ایک نکتہ ایسا معقول بیان کیا ہے کہ یاد رکھنے کے قابل ہے وہ کہتے ہیں کہ بعض اساتذہ مشہور مثلاً خاقانی کے چیدہ کلام میں یہ نقص جو دیکھتے ہو کہ محتاج شرح ہو گیا ہے اس کا بڑا سبب یہ ہے کہ وہ ترک نژاد ہے اکثر الفاظ اور جملوں کی ترکیب ایسی

آگئی ہو کہ جیسی فارسی بولنے والے ترک استعمال کیا کرتے ہیں اگر یہی خاقانی
 شیرازی یا اصفہانی ہوتا اور ویسے ہی محاورات بولتا جیسے شیرازی اصفہانی
 بولتے ہیں تو اتنی دقت نہ ہوتی۔ عربی بیشک شیرازی فصیح اللسان ہے اس
 کی فصاحت و سلاست اس کی غزلوں میں کچھ کمال روائی سے یہ حال
 ہے جیسے فی الواقع فصحا باتیں کرتے ہیں۔ یہ قصائد کے مشکلات تو اس
 کی حالت جداگانہ ہے نفس عبارت اور الفاظ کے الٹ پھیر کی بدولت کلام
 ادق نہیں ہو گیا ہے بلکہ مسائل علمیہ و اصطلاحات مسائل عقلیہ و تلمیحات
 و باریکی و ندرت تشبیہات و استعارات کے سبب اتنی بھر دقت (وہ
 بھی غزلوں میں نہیں بلکہ قصائد میں) بہ مجبوری ہو گئی ہے (اس کے بعد لکھتے
 ہیں) اگر یہی دقت و مشکل عبارت کی مستحسن ہوتی تو لامحالہ قرآن شریف
 کی عبارت ایسی ہی غامض اور پیچیدہ ہوتی اس کی فصاحت و بلاغت
 کا (جس کو دوست و دشمن سب ماننے ہوئے ہیں) یہی تو معجزہ ہے کہ ایسے
 ایسے باریک حکمت اخلاق وغیرہ وغیرہ کے کل مسائل (جنس کی اب
 تک کئی ہزار تفسیریں اور شرحیں لکھی گئی ہیں اور ہنوز کل بیویوں تک
 عملاً ادب پہنچ نہیں سکے ہیں اور ہن وقت بھی ناقذ خیر نی نئی خوبیاں اس میں پاتا
 ہے) ایسی سلاست و شیرینی اور آسان محاوروں اور انتہا درجہ کے دل پسند
 شستہ الفاظ کے ساتھ ادائے گئے کہ جہلائے عرب تک پڑھنے کے ساتھ متاثر
 ہو کر ہذا کلام البشر کے نغمے مارنے لگتے تھے۔ پھر قرآن سے
 بڑھ کر ہمارے لئے اور کون سی عمدہ مثال ہو کہ ادب و انشائیں ہم اس کی پیروی

قرآن شریف کی
 سہولت

کریں تم کلامہ۔ غرض کہ حکمائے معقولات و علمائے ادب کے معقولات اس بارہ
 میں اگر جمع کئے جائیں تو ایک حجم کتاب بھی اس کے بیان کو کافی نہ ہو۔
 بعض مدعیان بر خود غلط جو شاعر کا معیار کمال یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ جلد
 اس کے کلام کا مطلب سمجھ میں نہ آئے اور محتاج بہ شرح مطالب ہو یہ ان
 کی قواعد اصول فن سے نا بلدی ہی ساتھ اس کے ایسے پیچیدہ مطالب کے شعر
 کے معنی و مطلب کے حل کرنے کو اپنا مایہ تبحر و واقفیت فن سمجھے ہوئے ہیں
 اگر ان کا یہ دعوا قبول بھی کر لیا جائے تو اس سے زیادہ اس کی وقعت
 نہیں ہو سکتی کہ شخص اول چیتاں اوپر پہیلیاں خوب کہتا ہی اور شخص دوم
 اس کو بوجھتا بھی خوب ہی۔ لیکن یہ بھی نہ ادعوا ہی دعوے ہی اکثر ذکی لطیف
 وہ پہیلیاں پہلے ہی سے بوجھ چکے اور اس کی شرح لکھ چکے ہیں۔

علمائے فن ادب نے استقرائے تام کے ساتھ عبارت کی عمدگی کا معیار جن لفظوں
 کے ساتھ کیا ہی مناسب مقام یہ ہی کہ یہاں درج کر دیا جائے وہ لکھتے ہیں کہ
 خوبی عبارت کی یہ ہی کہ عبارت سلیس و متین و شیرین و نمکین با محاورہ فصحاء
 با تکلیف و تشبیہات صداقت اساس و استعارات قریب القیاس (اگر
 صنائع لائے جائیں تو تجنیس صریح اختصارات فصیح کلمات عشرت انگیز یا
 موقع کے ساتھ عبارات حزن آمیز و درد خیز قوافی نیست و درست لطائف
 پسندیدہ محاورات و نکات چیدہ و برگزیدہ مصطلحات شیریں مقدرات
 دل نشیں ہوں۔

بایں ہمہ بھی حقیقت میں طبع سلیم و ذوق صحیح بہت بڑی کسوٹی اور معیار

جس کے استقرار کرنے کے بعد مذکورہ بالا معیار تمام کی گئی ہے۔ تجربہ شاہد
 ہے کہ مذاق سلیم جب کسی شعر یا عبارت کو سن کر فوراً واہ واہ کرنے لگتا
 ہے اگر اس پر علماً غور کیا جائے تو مذکورہ بالا کم و بیش خوبیاں اس میں ضرور ہوں گی
 میں اور پر بھی لکھ آیا ہوں اور پھر بھی لکھتا ہوں کہ مذاق ہر مختلف ملک اور
 قوم کے جداگانہ ہوا کرتے ہیں اور جس زبان اور جس ملک اور جس قوم کے
 قواعد ادب و شاعری مرتب ہوتے ہیں وہ وہیں کے فصیح و بلغا اہل مذاق
 کے استعمال کے مطابق ہوا کرتے ہیں گو اکثر بعض قواعد بطور عامتہ الورد
 کے دوسری زبان کے بھی موافق ہو جائیں اور یہ بھی عرض کر چکا ہوں کہ
 اب تک ہماری اردو زبان کے قواعد ادب کم یا لائق پشانہ جامع و مانع
 ایسے مرتب نہیں ہوئے ہیں کہ خاص اس اردو بولنے اور انشا پردازوں کے
 مناسب ہونا چاہو حضرات عربی زبان میں سواد رکھتے ہیں وہ انھیں
 متداول کتابوں تلخیص ایضاح مختصر معنی و مطول یا علامہ شمس الدین
 فقیر کے کتب خواہ خان آرزو کے رسائل فارسی سے لیا کرتے ہیں
 یا سبغ معلقہ وغیرہ کی شرحوں سے استفادہ کیا کرتے ہیں اور اس بارہ
 میں اقمی وہ مجبور بھی ہیں حالانکہ اکثر جگہ شعریات و ادبیات میں عربی
 زبان اور اردو زبان کے مذاق سے فرق ہیں و ہوں بعید ہو جاتا ہے
 چنانچہ بادی النظر میں جہاں جہاں ایسا اختلاف پایا جاتا ہے میں یہ
 میں اس کو بیان کرتا ہوں۔

نمونہ کے طور پر فن عروض کی بحروں پر نظر کیجئے اہل عرب نے مطابق اپنے

مذاق واوزان طبعی کے اصول افاعیل کے اُرت پھیر سے انیس بحرین اور پھر
 اصول افاعیل کو کاٹ چھانٹ اوکم زیاد کر کے اُن کے کثیر التعداد زحافات
 قائم کئے ہیں اہل عجم نے جو اکثر انھیں کی تقلید پر چلائے ہیں بعض بحرین اور
 بعض زحافات خود بھی ایجاد کئے ہیں مگر وہ محض طبیعت داری ہی اس لئے علمائے
 عروض اُن کو جزو غیر منفک عروض میں محسوب نہیں کرتے بہر حال ان انیس
 میں بعض بحرین اور اکثر زحافات اُردو گوئیوں کے اوزان طبعی و مذاق سلیم کے
 بالکل مخالف ہیں مثلاً بحر طویل چار فحوی الخ و صفا حیلین اور بحر مدید چار
 فاعلاقی فاعلنی بحر بسیط چار مستقلین فاعلین پر اور بحر واقراظم مفعلن
 پر ایسی طرح اکثر اوزان ہیں پھر یہ بھی ہے کہ کسی جگہ چار رکن کی جگہ دو ہی رکن پر تمام
 کر دیتے ہیں اُردو کا مذاق اس سے میل نہیں کھاتا اس کے علاوہ دونوں
 زبانوں میں بیت کے دو ٹکڑے ہوا کرتے ہیں جن کو مصرع کہتے ہیں بنا بر
 مذاق اُردو فارسی کے دونوں مصرعوں کے ارکان برابر ہونے چاہئیں
 مگر عربی میں دونوں مصرعوں کا گھٹ بڑھ ہونا بھی پسندیدہ ہے یہاں تک
 کہ ایک مصرع میں ایک ہی رکن اور دوسرے میں سات اور اگر متن نہیں
 مسدس ہے تو پانچ اور مربع ہے تو تین رکن لاکر بیت کو پورا کر دیتے ہیں اور
 نہایت متکثر ہوا کرتے ہیں۔ اُردو میں مذاق کے سخت مخالف ہے۔

از انجملہ اشعار میں ردیف لانا بنا بر مذاق اُردو نہایت پسندیدہ اور کاویا
 کو بھلا معلوم ہوتا ہے اہل عرب کے مذاق کے بالکل ہی برخلاف ہے اس لئے
 عربی زبان میں اشعار بہت کم مرتب ہوتے ہیں اگر بطور اُردو کہا بھی

جاتا ہے تو بہت نامانوس معلوم ہوتا ہے۔

قافیوں پر نظر کیجئے بنا بر مذاق اردو حرف قید کا اختلاف کسی طرح پسندیدہ نہیں ہوگا۔ کون یا مذاق اردو گو بجز کا قافیہ شعر لائے گا مگر یا اینکه بخارج تک میں حد سے زیادہ اختلاف ہو مگر جائز و دل پسند ہے۔

مذاق اردو کے مطابق قافیوں میں اختلاف حرف رد و توجیر سخت عیب ہے بھلا کون اردو گو شاعر ہے کہ کاب کا قافیہ کیسے لانا پسند کرے گا۔

انواع تشبیہات و استعارات و کنایات و مجاز و بدائع میں بھی اکثر اختلاف مذاق پیدا ہوتا ہے عبارت میں تکرار و قافی کو بہت مستحسن جانتے ہیں

مثلاً *لست*۔ *قت*۔ *مت* اگر *اٹھ* *اٹھ* بھی ایک جگہ متصل جمع ہو جائے تو قابل مدح سمجھا جاتا ہے مگر اردو میں ایسا کیا جائے تو دیو کی زبان سمجھائی

تشبیہات میں عشوق کے فنوق کو لالہ و الی چوٹی حال معشوق کو اونٹھ کی میٹھی سے تشبیہ دی جاتی ہے اردو کے مذاق میں بچیدگی و برخلاف

بھلا کہا کے وہاں فنوق کی تشبیہ بیہوشی سے دی گئی ہے الہامیہ تشبیہ اردو کے مذاق سے چنداں نامانوس نہیں ہے۔ اسی طرح بعض صنائع

ہیں جو یہاں کے مذاق کے بالکل برخلاف ہیں جس کا جی چاہے فن بدیع میں ملاحظہ کر لے۔

اصل یہ ہے کہ صنائع بھی وہیں تک اور وہی پسندیدہ ہو سکتے ہیں کہ جو ہر کلام معنی فصاحت و بلاغت و سلاست وغیرہ مذکورہ بالا

معا میں دانے لگا پھل اور دہن معلوم ہوں ورنہ ٹھیک

حرف قید

تلافی رد

بیشمار عائد

صنائع

ٹھیک وہی مثال ہو جائیگی کہ ایک کالی کلوٹی بھرتیست بہتر ترکیب مہر پور
 سے بھری ناخروس بڑھیا کو قیمتی زیورات سے لاد دیا جائے۔ بنیاد ایک
 حسین زیبا طلعت دل کش صورت شہاب والی عورت کے۔ فرض کرو
 کہ اگر اس کے بدن پر زیور نہ بھی ہوں تو اصل جو حسن ہے اس کا دل کشی
 و جذب قلوب کے لئے کافی ہے۔ ہاں اگر مختص طور سے اتنے زیور تھتی رکے
 اس کے حسن کو ڈھانک نہ دیں پہناتے جائیں تو نور علی نور ہے۔

تصرفات شاعرانہ میں شعرا جن چیزوں کے مجاز ہیں اور بنا براسمجاز کے
 مشہور ہے بھی ز للشاعر ما لا یجوز لغيره ان کو علامہ زنجشیری نے
 ایک قطع میں جمع کر دیا ہے **ضرورت الشعر عشرة اعداد**
حملتها وصل قطع وتخفيف وتشديد وقصر ومد
وامكان وتحريك ومنع صرفا ومنع منع وتعدید
 حاصل مطلب یہ ہے کہ ضرورت شعر کے خیال سے شاعران دس
 تصرفات کو بجا کر دیا گیا ہے اول وصل یعنی کسی لفظ میں کسی حرف کا
 بڑھا دینا جیسے فارسی میں (بر کا لفظ بمعنی اوپر) اصل لفظ ہو مگر نظم
 کی ضرورت سے ایک الف اول میں لگا کر (ا بر) کر دیا دوسرے
 قطع یعنی کسی لفظ سے کسی حرف کا اٹھا دینا مثلاً اگر حرف شرط
 میں سے الف کو لگا کر (گر) اکنوں کو (کنوں) کر دینا تیسرے
 تشدید یعنی لفظ کو مشد کر دینا جیسے فارسی میں در بے بہا تخفیف
 مستعمل ہے اس کو در بے بہا کرنا چونکہ تشدید والے لفظ سے تشدید

نکال دینا جیسے آدمیت میں سے یا مشد دعلے ہذا کیفیت کی تشدید
 نکال دینا یا پانچویں مد والے لفظ کو قصر اور چھٹے قصر والے لفظ کو پینا
 دونوں کی مثالیں آفتابہ بالمد کو آفتابہ بقصر یا آبیاری بمعنی
 پانی سبجنا کو آبیاری کر دینا یا جیسے بعض نے اردو میں بھی انگنائی کو انگنائی
 نظم کر دیا ہے۔ ساتویں ساکن کو متحرک اٹھویں متحرک کو ساکن کر دینا دو لفظوں
 کی مثالیں متحرک کو ساکن کرنا جیسے پہن بالفتح کو متحرک امیر خسرو
 محل ترانہ لالہ بروئے پہن چوں گل سعدی بہ گرد پہن سعدی
 چناں پہن خان کرم گسترد اور ساکن کو متحرک کرنا۔ سلمان ساوجب
 قبض گشتہ برچرخ روح ملک۔

رہا صرف منع و منع صرف یہ عربی کے سوا فارسی و اردو میں نہیں ہوتا
 اس اختصار کو فارسی والوں نے بہت کچھ برت دیا ہے مثلاً اندہ کو
 اندہ کوہ کو کہہ کر وہ کو گرہ ہنوز کو ہنوز خوش کو خوش ہرگز کو ہرگز وغیرہ
 وغیرہ مگر اردو میں بعض کے سوا ان تصرفات نے رواج نہ کیا اور جو
 تصرف رواج نہ ہو اس کا استعمال صحیح نہیں ہو سکتا اردو میں انھیں جیسے
 چند الفاظ نے رواج پکڑا مثلاً گوہر کی جگہ گہر ناگاہ کی جگہ ناگہ چاہ کی
 جگہ چہہ شاہ کی جگہ شہ ماہ کی جگہ مہ وہاں کی جگہ وہن افلاطوں کی
 جگہ فلاطوں افغان کی جگہ فغان یا بعض مشد الفاظ کو بتخفیف
 لائے ہیں جیسے نظارہ کو نظارہ کیفیت کو بتخفیف کیفیت اور ایسے
 ہی چند مصداق بھی ہیں فارسی والوں نے بعض الفاظ عربی کے اعراب کو

بھی بضرورت قافیہ بدل دیا ہے جیسے کافر کو بفتح فا افسر کا قافیہ کر دینا چنانچہ
اردو گوئیوں نے بھی اُس کی تقلید کی ہے۔

کتاب سالۃ المعجم فی اشعار العجم میں محمد ابن عیس نے مذکورہ بالا مضمون کے
بیان میں سیبویہ مشہور نحوی کا ایک قول نقل کیا ہے جس کی بعینہ عبارت
کا ترجمہ فارسی میں ملا محمد فائق نے اپنی کتاب مخزن الفوائد میں لکھا ہے
میں اردو میں اُس کا ترجمہ درج کرتا ہوں سیبویہ کہتا ہے کہ شعراے عرب
وعجم نے وقت ضرورت و موقع اضطرار میں نظم میں لفظوں کے اندر
حروف کو کم و زیادہ کر دیا ہے اس کے علاوہ حرکات میں بھی تصرف
کیا ہے۔ پس جاننا چاہئے کہ وہ لوگ اپنی اپنی زبان کے محاورہ داں
اور اپنے محاوروں کی فصاحت و بلاغت کو خوب سمجھتے ہوئے تھے
جب تک اُن کے مذاق صحیح نے کوئی معقول اور درست وجہ نہ دیکھی
ہوگی یہ تبدیلی کمی و زیادتی نہ کی ہوگی۔ غیر زبان والوں کو نہ چاہئے
کہ آنکھیں بند کر کے اُن کی تقلید کریں مثلاً لفظ (بر) کی جگہ ہمزہ
بڑھا کر (ابر) کر دیا ہے تو آنکھوں نے موقع و محل دیکھ لیا ہے غیر زبان
والے جائے معین کے عوض اگر ایسی زیادتی کریں تو روا نہیں ہے۔
مناسب یہ ہے کہ جو لفظ ظاہر المعنی ہو البتہ اُس کی تقلید کریں اور
اُن کے تصرفات کو چھوڑ دیں اگر یہ نہ ہو سکے اور ضرورت شمر مجبور کرے
تو انھیں تصرفات عشرہ کی (جو زخشری) کے اشعار میں ہیں تقلید
کریں جن کی مثالیں اُن کے سامنے ہیں تم کلامہ۔

واضح ہو کہ فارسی میں بھی ایسے تصرفات قدما نے بیشتر کئے ہیں چنانچہ
 فردوسی علیہ الرحمہ کا شاہنامہ اور رودکی کے منظومات اس سے پھرے
 ہوئے ہیں بر خلاف متاخرین کے انھوں نے ایسے تصرفات کم کئے ہیں
 واقع کاران فن اور اہل انصاف اس کو ضرور سمجھتے ہیں کہ
 فی زمانہ (جبکہ علوم فارسی و عربی کا رواج گویا ہندستان بھر خصوصاً
 ہمارے صوبہ بہار سے جو کسی وقت دارالعلم تھا جاتا رہا یہاں تک
 کہ وہ لوگ بھی نہ رہے کہ جنھوں نے اہل علم کی صحبتیں اٹھائی تھیں
 اور زبان عربی و فارسی و اردو میں کافی دستگاہ رکھتے تھے)
 دینکے شاعری زبان اردو میں عجب طرح کا بڑبڑناک مع گیا جس کا
 شمعہ آگے بیان کیا جائے گا۔ میں نہیں عرض کرتا کہ موجودہ زمانہ میں
 اہل علم بالکل ہی نہ رہے بلکہ یہ کہتا ہوں کہ انگریزی زبان و علوم کے
 ماہر و عالم خدا کے فضل سے بہ کثرت دکھائی دیتے ہیں مگر عربی و فارسی
 زبان کے کما بینغی جاننے والے عام طرح سے نایاب فقوڑے کے
 موجودہ عہد کی یہ حالت ہے کہ جاہل سے جاہل بلکہ جاہل مرکب میں
 گرفتار بھی چاہے جس محبت میں ہو مدعی علم فارسی و عربی و فنون
 ادب و انشائین کہ چند معمولی سنے سنائے مصطلحات (جن کی
 حقیقت سے وہ خود بالکل ہی بے خبر و نابلدھی) زبان پر لا کر اوڑھ
 اپنا اعتبار جما کر سیاہ کو سفید اور سفید کو سیاہ رات کو دن اور دن
 کو رات کہہ دے تو کوئی اس صحبت میں شاید ہی اتنا نکلے کہ اس کی

تکذیب کرنے کو کھڑا ہو جائے۔ سبب یہ ہے کہ علم و فنمندی کے عالم
 آزادی لئے اور اپنی نیک نہادسی سے یہ بدگمانی نہیں کرتے
 کہ شخص مدعی نرا جاہل بر خود غلط ہے گو اس کے دعوے کی تصدیق نہ
 کریں مگر چونکہ عربی و فارسی سے اتنی آگاہی نہیں رکھتے اور ساتھ اس
 کے اُن کے علم و اخلاق نے اُن کو سمجھا دیا ہے کہ انسان جس چیز میں
 دخل تاہم نہ رکھتا ہو اُس میں دخل دینا سب سے بڑھ کر جہالت ہے،
 اس لئے ایسے جہلا میدان کو خالی پا کر اور بھی پھیل پھیل کر جو کچھ
 منہ میں آجاتا ہی بک جاتے ہیں۔ بھلا اور اور مسائل علیہ کو تو جانتے
 دیکھتے ایک اسی علم ادب و شاعری کو لیجئے جیسی اس کی مٹی خراب ہوئی
 ہے شاید کسی اور صنف علم کی یہ حالت زار نہ پہنچی ہوگی اگرچہ باہرین ادب
 و انشا و شاعری نے شعر گوئی کا مدار بہت کچھ طبع موزوں اور مذاق
 سلیم پر رکھا ہے مگر باایں ہمہ فن عروض کی تحصیل اور اس میں ملکہ سنجہ حاصل
 کرنے کو مقدم رکھا ہے لیکن ایک بر خود غلط جاہل فقط چند معمولی بحروں کی غلط
 یا صحیح تقطیع کر کے فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن۔ مستفعلن مستفعلن
 پراوز ان کو بٹھا دیتا ہے اگر پوچھئے کہ اس فاعلاتن مستفعلن کی حقیقت کیا ہے
 اور ان ارکان کے فروغ گتے اور کن کن بحروں میں ان کے تشکیل کیونکر
 تبدیل ہوا کرتے ہیں تو بجز جاہلانہ جواب یا سکوت کے اور کچھ نہیں بول سکتا
 لیکن افسوس اس کا ہے کہ معدومیت باہرین فن کے سبب سے ہر ویسے مدعی کا
 اعتبار کر لیا جاتا ہے غرض کہ اتنا ہی اعتبار اُس کی گرم بازاری و نکتہ چینی کے لئے

کافی ہو جاتا ہے ایسی جگہ ماہرین فن و واقفان حقیقت شعرو سخن جنہوں نے
اس کی تحصیل و تکمیل میں عمریں گنوا دی ہیں مطالعہ کتب میں آنکھیں کھو ڈالی
ہیں بجز اس کے کہ حیرت سے منہ دیکھیں اور زمانہ پراشوس کریں کیا کر سکتے
ہیں۔ ان ایسے جہلا و متعصب جہل مرکب میں گرفتاروں کے لئے یہاں
تو کیا حقیقت رکھتا ہے خود خلیل موجد فن عروض یا سکا کی استاد فن ادب
اٹھ کر آئے تو بھی وہ اپنی ہی رام کہانی بجا کریں گے یہ بھی اعتقاد نہ کریں گے کہ
کوئی آدمی باتیں کر رہا ہے یا چیل کوؤں کی آواز ہے۔ ناظرین میرے اس
لکھنے کو مبالغہ نہ سمجھیں بلکہ تجربہ و مشاہدہ ہے۔ بہر حال۔ مگر افسوس کہ خدا
کے فضل سے علوم انگریزی کے ماہر اور آزاد خیال بکثرت ہیں اور قاعدہ
کی بات ہے کہ ایک زبان کا فاضل جس نے اس زبان اور اس کے
علوم میں پختہ دستگاہ حاصل کر لی ہے بیک اشارہ وہ دوسری زبان
کے مسائل علمیہ کو بھی اتنا جلد سمجھ لیتا ہے کہ اس زبان کا بولنے والا
مگر جاہل ہرگز نہیں سمجھ سکتا لہذا اگر چند فوائد یہاں درج کرتے جائیں
تو مناسب معلوم ہوتا ہے۔

جاننا چاہئے کہ یوں تو ہندی زبان کے اشعار کا نام جب سے ریختہ ہوا
اس کے اشعار نے کسی قدر اعتبار پیدا کیا اور اہل و شائقین کمال کو
اس زبان کو سدھار نے اور بتعمیر فارسی ریختہ میں بھی دیوان جمع
کر سنے کا شوق ہوا اسی وقت سے کچھ کچھ اس زبان کی گریہ شروع
ہو گئی مگر یہ کہ محض اہل نظر تک محدود رہی نہ کہ تلاش مضامین و معنی

کی۔ سبب اس کا ظاہر ہری فارسی کے اساتذہ کے دیوان اُن کے
 پیش نظر تھے یہ حضرات بھی اسی رستہ پر چلے جو طریقہ فارسی گوئیوں
 کا تھا۔ غرض کہ یہ کریم و پیش دہلی سے شروع ہوئی اور جب ایک
 معتد بہ حصہ ان شعرا و فضا کا لکھنؤ میں آکر بس گیا اور اتنی مدت یہاں
 گزری کہ لکھنؤ میں دوسرے طبقہ اور دوسری پود نے جنم لیا اور قرا
 دولت و امن و امان نے اس طبقہ کو اس زبان اور اس کی شاعری
 کی طرف بہ شوق تمام جھکا دیا اور گو کہ لکھنؤ کا یہ طبقہ دہلی والوں ہی
 میں تعلیم پایا اور رفتار و گفتار میں مقلد بھی دہلی والوں کا تھا اور
 بقدر ضرورت استعدادِ علمیہ بھی رکھتا تھا طبعی اشتعال نے (جس کا
 بیان آگے ہو گا) ابھارا کہ کچھ نہ کچھ زبان موجودہ میں اتنی اصلاح
 کی جائے کہ دہلی والوں کے ربقہ تقلید سے ہماری گردن ٹھکل جائے
 چونکہ زمانہ کو اس کے قبول کی صلاحیت حاصل تھی جہاں تک
 ہوسکا لفظوں کی تراش تراش شروع کر دی (اگر یہی مادہ تولا
 معنی بلند و ترقی حاصل شاعری کی طرف رجوع کرتا تو خدا جانے اُردو
 کی شاعری اب تک کن کن مضامین پر عاوی ہو کر کہاں تک
 ترقی کر جاتی) مگر اٹنا بھر بھی انھوں نے کیا کمال شکر گزاری کے
 قابل ہی رحمتہ اللہ علیہم۔ بلاشبہ شیخ ناسخ اور اُن کے ذی علم
 مقہورین نے اس کریم میں معتد بہ حصہ لیا۔ اُن کی دیکھا دیکھی اور
 اور اساتذہ وقت نے بھی چھپے طور پر اُن کی تقلید ایسے عام طور پر

کی کہ دہلی کی پرانی زبان اور لکھنؤ کی اس زبان سے نمایاں فرق ہو گیا
 خواجہ حیدر علی آتش اگر نہ ناسخ کے حریف تھے لیکن از بسکہ مذاق
 ان کا طبعاً درست تھا گو بیشک اس اصلاح سے انھوں نے بھی
 فائدہ اٹھایا مگر تاہم بعض الفاظ دل پسند قدیمانہ و صدقائی بندش میں
 یہ اپنے مقلد آپ سے اور جیسا کہ کئی جگہ ذکر کر چکا ہوں کہ زمانہ ہجر
 کو متغیر کرتا رہتا ہے اور یہ تغیر اکثر طبعی ہوا کرتا ہے زبان مرد و بچہ اس
 تغیر کی محکوم ہوا کرتی ہے ہر زندہ زبان کے اندر بعض نئے نئے الفاظ
 طبعاً داخل ہوا کرتے ہیں اور بعض پرانے الفاظ اپنا قائم مقام
 چھوڑ چھوڑ کر معدوم ہوتے جاتے ہیں پھر ایک غیر معین زمانہ میں
 یہ تغیر عوام سے تجاوز کر کے اس زبان کے خاص خاص فصحا کی سویٹی
 میں پہنچ کر اور فراد پر چڑھ کر مانوس و مستعمل ہو لیتا ہے تب مستند شعرا
 بھی اپنی نظم میں استعمال شروع کر دیتے ہیں شعرا ہمیشہ اپنے زمانہ کے
 فصحا کی سویٹی کی بول چال کے پابند ہوا کرتے ہیں۔ بلکہ اسے مستند
 کے شعرا جو بطور مثال مذکور کئے جاتے ہیں ان اشعار سے یہ غرض نہیں
 ہوتی کہ شخص واحد (یعنی اس شاعر) نے کیونکر استعمال کیا ہے بلکہ
 اس کے شعر سے یہ پتہ لگانا مقصود ہوتا ہے کہ اس شاعر کے بعد کے
 فصحا کی سویٹی کس محاورہ یا کس لفظ کو کیونکر بولتی تھی اکثر تو زبان
 مرد و بچہ کی اصلاح طبعی ہوا کرتی ہے اور بیشتر یوں بھی ہوتی ہے کہ مثلاً
 شخص واحد یا کسی فصیح جماعت نے کسی وجہ سے ہر بعض محاورہ یا

الفاظ کو ناپسنید یا پسند کر کے زبان سے خارج یا داخل کر دیا اگر دوسرے
 فصحا تک یہ خبر پہنچی اور وقت اس میں داخل خارج کی صلاحیت بھی
 طبعاً رکھتا ہو تو وہ داخل خارج بہت جلد فصحا میں پھیل جاتا ہے اور
 یہ پتہ نہیں لگ سکتا کہ کسی خاص شخص نے اس کی تجویز کی تھی۔
 چنانچہ میر تقی و سودا وغیرہ اساتذہ کے زمانہ میں زبان کے اندر
 جو تبدیلی ہوتی گئی کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ فلاں فلاں لفظ میں
 میر تقی یا سودا یا ان کے زمانہ کے فلاں شاعر نے یہ تبدیلی کی تھی
 ایسی تبدیلیاں (جن کا اوپر ذکر ہوا) چونکہ قریب قریب طبعاً ہوا
 کرتی ہیں اس لئے اس زمانہ کے شعرا کے کلام میں یکساں پائی
 جاتی ہیں۔ اس جگہ اس سچی بات سے چڑنا نہ چاہئے کہ لکھنؤ نے
 جو مایہ بطور قرض ابتدا میں دہلی سے لیا تھا (اگر انصاف سے
 دیکھے تو) دربار رام پور میں جہ جہ تہ فقط اصل ہی ادا کیا بلکہ
 مع سودا سودا ادا کر دیا۔

غرض شیخ ناسخ کے زمانہ تک تو زبان کی تراش خراش اور کرید
 و متروکات پھر بھی حد اعتدال پر ہے مگر افسوس ہے کہ ان کے
 طبقہ میں یہ اعتدال قائم نہ رہا بلکہ افراط تفریط کر کے (ایک تو
 یہ غریب زبان جیسا کہ اوپر مذکور ہوا خود تنگ تھی ہی) اور بھی
 اس کے تنگ کرنے کے پیچھے پڑ گئے۔ ساتھ اس کے تماشا یہ ہے کہ
 کہ زبان کے تنگ کر دینے کا تو ایسا شوق غالب ہو گیا کہ اگر ان

کی تجویز کا کوئی ساتھ نہ دے تو فوراً اجمالت کا تمغہ پہنانے پر مستعد ہو جائے۔
 مگر اس کی دھن اور توفیق مطلق نہ ہوئی کہ اس تراش خراش سے زبان
 اور بھی اوجھی ہوئی جاتی ہے اور بھی کچھ الفاظ نے داخل کر کے ان سے
 لوگوں کو مانوس کریں۔ قبل اس کے کہ اپنے مقصود اصلی کو بیان کریں
 ایک مضمون بطور تمہید کے عرض کر دینا بہت مناسب معلوم ہوتا ہے۔
 واضح ہو کہ بموجب قواعد علم اللسان کے جتنی زندہ زبانیں جلد جلد
 ترقی کرتی جاتی ہیں سب میں غیر زبان کے الفاظ ایک تعداد معقول
 کے ساتھ ملتے جاتے ہیں اور جیسا کہ بار بار کہتا آیا ہوں شاذ شاذ تو
 وہ الفاظ بعینہ اُس زبان میں مل کر مانوس ہو جاتے ہیں اور کہیں
 متغیر ہو کر زبان پر جاری ہو جاتے ہیں کچھ مفرد الفاظ پر منحصر نہیں بلکہ
 مرکبات بھی جب غیر زبان کے مانوس ہو جاتے ہیں تو ان پر بھی یہی
 حکم جاری ہوتا ہے چنانچہ اس زبان میں بھی ایسے الفاظ مفرد ہوں یا
 مرکب صحیح اور مہتمد کہاتے اور خاص اسی زبان کے ہو جاتے ہیں۔
 زیادہ تر زبان عربی اور اس سے کم زبان فارسی میں جہاں جہاں
 ایسے اجنب یا غیر معمولی الفاظ مل گئے ہیں اور قواعد منضبطہ کے تحت میں
 نہیں آسکتے ان کو سماعیات میں یا تو داخل کر دیتے ہیں یا ہند آجھی
 یا شاذ کہہ کر کھپت کر لیتے ہیں کیونکہ ان زبانوں کے آزاد و وسیع خیال
 علماء صرف و نحو و جہ الفاظ کو دگو کہ قواعد اور کلیوں سے باہر بھی ہوں
 غلط کہہ کر زبان کو تنگ تو کر ہی نہیں سکتے لامحالہ تاویل کر کے جائز الاتحاح

اور ادب و انشا میں شوق سے داخل کیر لیتے ہیں کیونکہ اگر تنگ
 خیالی کو راہ دیا کرتے تو آج جو وسعت ان زبانوں کو حاصل ہے
 کبھی نصیب نہ ہو سکتی مگر افسوس ہماری زبان کے مدعیان زبانانی
 پر ہے کہ اچھے خاصے شریف مہمانوں کو کبھی جو کمال محبت سے ہماری
 زبان کے ساتھ بغل گیر ہو کر مل جل گئے ہیں زبردستی غلط الزام
 لگا کر ہماری صحبت سے نکالے دیتے ہیں۔ اگر خیال کچھ تو کسی قدر
 تو تاریخ مرحوم ہی کے زمانہ سے یہ کیر بد شروع ہوئی کہ الفاظ فارسی
 یا عربی جو بحسب قواعد طبعی عالم اللسان کے صورتاً متغیر ہو کر اردو
 ہی کے ہو گئے ہیں زبردستی لغات موجودہ سے تصحیح کر کے ان کو
 اجنب بنا دیا جائے چنانچہ شاہزادہ مرزا صابر مرحوم نے اپنے
 تذکرہ میں ایک لمبی فہرست ان متغیر شدہ و مہند الفاظ کی دی ہے
 اور یہ بتایا ہے کہ لغات فارسی وغیرہ دیکھ کر نئے نئے لہجے سے ان
 الفاظ کو اجنب بنا دینا کس قدر غلط ہے یہ پھر ساتھ اس
 کے تماشایہ ہے کہ یہ کیر بد فقط فارسی یا عربی ہی الفاظ تک محدود ہے
 حالانکہ اس زبان میں بجا کھا سنسکرت مرہٹی ترکی گجراتی لاطینی
 عبرانی اور خدا جانے اور کون کون سی مختلف زبانیں بگڑ کر مل
 گئی ہیں یہ تو خوب نہیں ہے کہ غیثات و منتخب کے محروم لغات
 پر قناعت کر لی جائے۔

بہ حال مفرد الفاظ کا تو وہ حال ہوا اب مرکبات کو لے کر جو

زیادہ تر بحث ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اگر کوئی ہندی یا اور کسی زبان کا
 لفظ کسی فارسی یا عربی کے لفظ سے بطور قواعد فارسی ہم نفل
 ہو تو غلط ہے جبکہ فصحا برابر استعمال کرتے آئے اور کہتے ہیں تو
 سبب اس خاص فارسی ترکیب کے غلط ہونے کا کیا ہے تو پھر اس
 کے اور کوئی جواب نہیں ہے کہ ہماری تجویز۔ ملاحظہ ہو چونکہ راجی دار
 سمجھ دار سونے بردار۔ بھنڈی بردار وغیرہ وغیرہ صفائی سما
 کیوں زبان سے مطرود کئے جاتے ہیں (حالانکہ آج سارے فصحا
 اردو کی زبان پر چڑھے ہوئے ہیں اور ان کی جگہ اور قائم مقام
 کوئی اور ایسا مختصر لفظ بھی نہیں ہے اگر اس مفہوم کو ادا کیا جائے
 تو چند الفاظ کو اجنب ترکیب سے مرکب کرنا پڑے) اسی طرح
 گاڑ پان دان اگال دان سنگار دان وغیرہ وغیرہ
 غیر محدود مستعمل الفاظ ہیں جن کو غلط بتایا جاتا ہے۔ معلوم نہیں کہ
 کوچان بھی نکال دیا گیا یا انگریزی لفظ (کوچ) کے سبب ابھی
 تک ڈٹا ہوا ہے۔ ایک صاحب بڑے شہ وند سے تخریر فرماتے
 ہیں کہ لفظ اٹھائی گیا ابھی غلط ہے کیونکہ اٹھائی ہندی اور گیار
 فارسی ہے (کہیں بھی اس تنگ خیالی کا جواب ہے)۔ ایک اور صاحب
 فادہ فرماتے ہیں کہ "قسم کھائے ہوئے" میں جو قافیہ کھائے ہوئے
 ہے اس کا قافیہ ہمسائے ہوئے غلط محض ہے کیونکہ لفظ ہمسایہ ہے
 نہ کہ ہمسائے اور یہ نہ سمجھے کہ زبان کم نجت کا قافیہ تنگ ہوا جاتا ہے

ایک دوسرے صاحب دانت بتاتے ہیں کہ آف دانے کا لفظ
 تہ باندھو کیونکہ بیچ میں واو عاطفہ فارسی ہے اور لفظ دانہ ہی نہ کہ دانے
 اگر ایسے زبان زد مقبول فصحا الفاظ کی (جو ان حضرات کی کلیہ میں
 اگر غلط ہو جاتے ہیں) فہرست دی جائے تو میرا قیاس یوں ہے
 کہ غالباً ہزاروں اچھے خاصے لفظوں کی گردن پر چھری چل جائیگی
 جن کے قائم مقام الفاظ ڈھونڈھے نہیں ملتے۔

مثلاً کچھری فروش - دو دندان - چینی دان - مکھن دان - عرق
 کیوڑا - شربت کیوڑا - پاجی پرست (اس کے بارہ میں اہل لغت
 کہتے ہیں کہ در کلام قدما دیدہ نشدہ - یا القاب جیسے خورشید
 دولہا - وزیر دولہا وغیرہ کیونکہ دراصل یہ لقب صفاتی ہے اور
 ترکیب تشبیہی مقلوب بہ ترکیب فارسی ہے دراصل اس کی عبارت
 یوں ہے یعنی دولہہ کہ چون خورشید و چون وزیر است - جو توتی خور
 گڑانبہ (کام اور شکر سے پکایا جاتا ہے انہ فارسی ہے) لال پر (یہ
 ایک قسم کی مچھلی رہو ہوتی ہے بہت مشہور) لکلی گر بھول کا سہ
 قلعہ دار پنچہ بردار بیاض خور وغیرہ لانا ہی تہ لہ۔

کثرت سے ایسے غیر محدود الفاظ بالکل غلط کرنے پڑیں گے۔

طرفہ ماجرا ہے کہ اس کا بھی اعتراف ہے کہ فصحا کی زبان میں آج
 ہی اس کے یہ معنی ہوتے کہ فصحا غلط بولتے ہیں اگر یہی ہے تو
 سند کس کی دی جائے گی؟

شکر ضکہ تھوڑے زمانہ سے میدان شاعری میں چار قسم کے لوگ آتے ہیں۔
 پہلے ہیں۔ اول وہ بزرگوار جو ذمی علم و فصیح زبان اور اچھی سوئی
 اور اہل زبان کی صحبت اٹھائے ہوئے ہیں مگر خود کو مجتہد فن و
 زبان جان کر توہم میں گرفتار اور تنگ خیالی کے سبب مشہور
 و مانوس و مستعمل لفظوں کے استعمال میں ایسی احتیاط دکھاتے
 خواہ برتتے ہیں جیسے فقہی علماء اصل احکام وحی و الہام سے بے خبر
 ہونے کے سبب سے بخون باز خواست عقبنے احتیاط برتتے اور
 اپنے فتوے میں اکثر احوط وغیرہ الفاظ لکھ دیا کرتے ہیں یہ حضرات
 بھی قریب قریب اس کے اس معمولی بات میں وہی چال چلتے
 ہیں حالانکہ یہ مسائل شرعی مسائل نہیں ہیں جن کے لئے ایسے
 پھونک پھونک کر قدم رکھنے کی ضرورت ہو یا اس ہمہ پھر بھی یہ
 بزرگوار ہماری شکر گزاری کے ہزار گونہ سزاوار ہیں اگر یہ یا تمیز
 و نبض شناس کلام نفوس چارہ گزرتے ہوئے تو جتنی بجز مانت زبان
 موجودہ میں باقی رہے پروائیوں اور بیجا آزادیوں کے ہاتھوں
 ستیا ناس ہو جاتی اور ہندوستان بھر چھ تک تائیں تائیں،
 کا کلہ پڑھنے لگتا۔ یہی قابل تعظیم حضرات تھے جو سخت کرید اور
 خراش تراش سے سوچنے والوں کی کثیر جماعت کو حد اعتدال پر
 لے آئے۔ دوسرا طبقہ ان صاحب کلاموں کا ہے جو باوجود سادگی
 رکھنے اور زبان کے نیک و بد سمجھنے کے بھی یہ ملاحظہ نہیں فرماتے

کہ کون کون سے محاورے عوام اور بازار یوں کے ہیں کون کون لفظ
 زبان پر ایسے چڑھے ہوئے ہیں جو خاص کر نظم کی متانت کو مٹی
 میں ملا دیتے ہیں میں نے مانا کہ جو الفاظ فارسی عربی کے تغیر ہو کر
 ہو کر ہماری زبان میں مل کر مہند اور خاص اردو کے ہو گئے
 ہیں ضرورت ان کی تصحیح کی نہیں ہے مگر جبکہ ان کی تصحیح ہو کر
 فصحاءے بائیمز کی زبان پر چڑھ گئے اور نائوس ہو گئے زبردستی
 ان کو بھی بحالت تغیر استعمال کرنا ضعف تالیف میں داخل
 ہی یا نہیں اور یہ بھی کہہ آیا ہوں اور اب بھی یاد دہی کرتا ہوں کہ
 مثلاً نشہ کا لفظ اگلی زبان میں بختین بروزن لقا مستعمل تھا مگر
 ساٹھ ستر برس سے بائیمز زبان داں بالفتح بروزن فعل استعمال
 کر رہے ہیں اس کو خواہی خواہی بختین استعمال کرنا اور بائیمز سخن
 سنجوں کے طبائع کو متزجر کرنا کون سی خوبی ہے ہلے ہذا بہت سے
 ایسے ہی الفاظ ہیں جن کا بیان طوالت سے خالی نہیں ہے اس
 کے علاوہ جہاں جہاں کلام کے مہین کرنے کو ضرورت اس
 کی ہے کہ فارسی ہی کے الفاظ فارسی ہی ترکیبوں سے لائے جائیں
 وہاں ہندی الفاظ ہندی ترکیبوں سے لاکر کلام کو بھرا بنا دینا
 کون سی خوبی ہے۔

تیسری جماعت وہ ہے کہ اس نے اپنی زبان کو اعتدال پر
 رکھا ہے ایسے لوگ طبقہ اول کی کرید اور تراش و خراش کو بچھڑ

کھنڈھے دل اور انصاف سے دیکھتے ہیں اور طبقہ دوم کی بے قیدیوں
پر بھی نظر رکھتے ہیں اور دونوں طبقوں کے مکالمات میں سے جس کو
قرین فصاحت و معین متانت کلام اور یا تمیز فصیحی کا مستعمل جانتے
ہیں بلا خوف لومہ لاکم اسی کو استعمال کرتے ہیں۔ یہی ان کا اصول
مقررہ ایسے طبقہ کے اصول مقررہ پر چاہے اعتراض کرو مگر افراد اصول پر
اپنے گڑھے ہوئے اصول سے اعتراض جائز نہیں ہو سکتا۔

چوتھا طبقہ ان پر خود غلط نابلدوں کا ہر جنھوں نے علم شعر میں فقط اتنی بات
سنی سنائی یاد کر لی ہے کہ محض ناواقفان فن عروض کے سامنے آسان تر
بحروں کے دو تین اوزان (طوطے مینا کی طرح یاد کر کے ہیں) فقط مصرعوں
کی تقطیع (وہ بھی تحت قواعد نہیں) کرنے بیٹھ جاتے ہیں اگر کوئی وقت کا
ان سے پوچھے کہ بھلا تقطیع تو آپ نے کر دی ان کے زحافات تو بتائے
یا تا موس کسی بحر میں تقطیع کر کے دکھائے تو کوئی درست و معقول جواب
نہ دے سکیں گے یہ تو فن عروض کا حال ہوا رہا فن قافیہ اگر پوچھتے کہ مرود
و مرکات قافیہ کے کیا کیا نام اور کیا کیا تعریفیں ہیں تو اڑ بڑبے بمعنی الفاظ
بلکہ لکیر کے زبان دانی کا یہ حال ہے کہ نہ تو یا تمیز فصیحی اردو کی بھین سے
صحبت نصیب ہوئی ہے کہ ملکہ تامہ حاصل کر کے بول چال میں امتیاز
حاصل کر لیتے نہ زبان اور اس کے الفاظ کے فلسفہ و تشریح سے باخبر
ہیں مگر بے تمیزوں کی طرح دخل در معقولات دینے کو آمادہ رہتے ہیں
ان کی سنتوے ہتھ ادیہ ہے کہ کسی سے سن رکھا ہے کہ لفظ ہندی بہ کر سب

فارسی فارسی لفظ سے مرکب نہیں ہوتا یا چند الفاظ فارسی کے حرکات لغتہ
 یوں ہیں اتنی بھر استعداد نکتہ چینوں اور اپنی جھوٹی شیخی کے لئے کافی سمجھ
 سے ہیں اور سچائے ناواقفان فن شعراتی ہی یا وہ سرانی کو دیکھ کر دھوکھا
 کھاتے ہیں درحقیقت ایسے طبقہ والے غول راہ سخن ہیں۔ ایسے بر خود
 غلط اور جہل مرکب میں گرفتار مدعی علم کی شناخت اگر کھائے ناواقفان
 فن کیا چاہیں تو بہت آسان ہے۔ اول تو ایسا نابالغ نہایت متعصب
 و خود پسند ہوتا ہے اس کے اصل قول کے برخلاف اگر ہزاروں دلائل
 معقول بیان کئے جائیں دلائل پر منحصر کیا ہے تجربہ شاہد ہے کہ مثالوں و
 دلائل پر اپنی سب سے بھی اس کے غلط قول کی ماہرین فن بھی اصلاح کیا چاہیں
 تو ناممکن ہے۔ اس کے علاوہ برخلاف اہل تمیز و اہل علم کے دخل و معقول
 دینے کو عام ازینکہ کتنے ہی اہل علم موجود کیوں نہوں اور مخاطبت بھی
 اس کی طرف نہ ہو طیار ہو جاتا ہے۔ اتنی ہی بات سے ہوشیار شخص ادراک
 کر لے سکتا ہے کہ یہ کس طبقہ کا آدمی ہے۔ ایسے طبقہ کے لوگ از بسکہ اپنی
 شہرت و نمود چاہتے ہیں لیکن ظاہر ہے کہ زمانہ ان کے ابھارنے میں مدد
 نہیں دے سکتا تب وہ یہ صورت کرتے ہیں کہ جن باکمالوں نے
 اس تحصیل و تحصیل میں اپنی عمریں گنوا ڈالی ہیں اور کسی قدر ان ایسوں نے
 ایک درجہ حاصل کر لیا ہے ان کے کلام پر نکتہ چینی اور اعتراض شروع
 کر دیتے ہیں وہ نکتہ چینی بھی اگر شرافت سے اور تہذیب سے ہوں
 تو بہت ان مضائقہ نہیں مگر ان کی غرض تو دل دکھانے اور اپنی

ناموری سے ہی بلاشبہ ایسے بے سرو پا اعتراضوں اور نکتہ چینیوں کے جواب اگر دئے جائیں تو بقول سرسید مرحوم کے یا جی کو پراج بٹانا ہی اور متوالے دیوانہ کو تلوار دینی ہے۔ اس میں بھی چین نہیں ہی از بسکہ عام طریقہ سے علم فن کار و راج نہیں جو لوگ شریف دل اور منصف مزاج بھی ہیں تا بلدی کے سبب سے وہ لوگ یہ گمان کرنے لگتے ہیں کہ جواب اُس شخص سے من نہ پڑا اس لئے مرد میدان نہیں ہی کیا ایسے حضرات یہ چاہتے ہیں کہ متوالے اور جگہ تا جگہ جیسے مشہور و بد معاشوں سے شرقاً و الجحیم اور ان ایسوں کا جو مقصود ہی یعنی اپنی شہرت وہ حاصل ہو جائے اگر وہ نکتہ چینی اتنے بھی نہیں ہیں کہ کوئی تحریر صرف و نحو سے درست ان حاسدانہ نکتہ چینیوں کی کسی اخبار یا رسالہ میں بھیج سکیں تو ان کا شغل یہ ہی کہ گناہم خطوط میں مغلطیات لکھ لکھ کر ڈاک کے ذریعہ سے بھیجیں اور اپنی اصلی طینت کا اظہار کریں۔

اڈیٹر ان اخبار و مدیر رسالہ جات (جن کو متین اور مہذب ہونا بہت ضروری اکثر ایسے ہی ہوتے ہیں کہ جب کوئی تحریر ان کے پاؤں پہنچتی ہے چاہے کسی با کمال کے حقوق کیسے ہی پامال کیوں نہوں چھاپ دینے اور شائع کرنے میں ذرا بھی تا مل نہیں کرتے اتنا خیال بھی نہیں کرتے کہ اول تو ایک مرتاض کے حقوق کمال پائمال ہوتے ہیں دوسرے قوم و ملک کو ترقی میں الگ نقصان پہنچاتے ہیں اور بد اخلاقی کی اجازت الگ اور میں اخبار یا رسالہ کے مدیر ہی خود ایسے ہی حاسد بر خود غلط ہیں ان کا پوچھنا ہی کیا ہی العوض اس طبقہ کے ہاتھوں

جو ہو نہ ہا بھی ہیں یا ایک حد تک محنت کر کے کسی درجہ تک فائق بھی
 ہیں بہ سب شرافت طبیعت کے اپنے اپنے نادر کلام کے شائع کرنے
 میں چمکتے ہیں اور ابھر نہیں سکتے بائیکا ان نکتہ چینوں کے تجربہ سے
 یہ دیکھ بھی لیا کہ جس کا کمال حقیقت میں لائق تعریف و شہرت تھا
 ہزار ہا انھوں نے زور لگائے اس نکتہ چینی میں اکثر اتفاق سے صحیح
 بھی ہیں کیونکہ انسان چاہے کسی مرتبہ پر فائق ہو فرشتہ نہیں ہو بھول
 چوک کا پتلا ہی تاہم اگر کچھ نہ چلی یہ دیکھ کر بھی وہ عبرت نہیں لے پڑتے
 ہمارے خیال میں ایسے سخت زبان نکتہ چینوں کا علاج اگر ہو سکتا ہے
 تو یوں ہو سکتا ہے کہ اول تو سنجیدہ مدیران اخبار و رسائل ایسی تحریریں
 ہی شائع نہ کریں اور بالفرض شائع ہوں تو ملک کے ماہرینِ اہلِ حققت
 دوست و اہلِ قلم فوراً اس کا جواب بلا کسی تاامل کے شائع کر دیا کریں
 یا بطور محاکمہ کے بشرطیکہ وہ اعتراضات بے سرو پا بھی نہوں اپنی
 اپنی تحریریں کثرت سے شائع کر دیا کریں تاکہ معترض پر بھی تو یہ کھل
 جائے کہ خود میری غلطی پر اہل علم و کمال متفق رائے نہیں اس طبقہ کے
 بعض اشخاص کی اکثر مضحک تقلیدیں اہل علم و تہذیب کے سننے کے قابل
 میں مگر عجباً ان سے قطع نظر کیا جاتا ہے تاکہ ذاتی و شخصی حملہ کا الزام نہ ہو
 مذکورہ بالا لہجہ کوں سے غرض یہ ہے کہ طالبانِ فن ایسے غولان
 راہ سخن کے دھوکے میں آکر اس کے ہم خیال نہ بنیں ایسے متعصب
 و خود غلط کی اخلاقی حالت بھی بہت خراب ہو کر رہتی ہے یعنی جہان

نر اموشی و کینہ کشتی اُس کا شعار ہوتا ہے جس دروازہ پر پرپوں دروازہ
 گری کرتا ہے اسی پر حملات مفسدانہ کرنے کے لئے وقت کا منتظر رہتا
 ہے۔ اعلیٰ سویسٹی میں بیٹھنے سے گھبرا تا ہے طبقہ اول کے بعض حضرات نے
 متروکات کی جو ایک لمبی فہرست چھاپی تھی جس کو پرائیس سچاس
 برس کا زمانہ ہوتا ہے اُس میں بالضرور چند متروکات معقول بھی ہیں
 چونکہ فصحا کے طبائع اُس کے قبول پر آمادہ تھے اتنی مدت میں خود
 بخود وہ الفاظ زبان سے خارج ہو گئے اگر غور سے کام لیا جائے تو
 استعمال ان کا اب کانوں کو خواہی نخواستہ بھی مانند معلوم ہوتا ہے
 مثلاً "ہوگی" کی جگہ "ہوگی" یا اندر کی جگہ "یج" یا اظہار مبالغہ کے
 مقام پر "زور" کا لفظ یا غیر مرکب کے فارسی لفظ کا جمع نے آجیسی
 ع اُس کے ماتم میں عزیزان چشم ترکیوں کو کر دیں۔ اسی قبیل سے ع
 شفیقاں میری حالت پر تو ہمہ چاہئے تمکو۔ ان میں کے بعض الفاظ
 ایسے ہیں جن کو میر انیس سیافصح البیان بھی برابر استعمال کیا تھا مگر اب
 حقیقت میں بھی فصحا کی زبان پر نہیں ہے اور ترک فراولت کے سبب سے
 کانوں کو اچھا معلوم ہونے لگا ہے برخلاف مصادر ہندی ہما صفائی
 کی جمع کے جن کو باوجود زبان سے خارج ہو جانے کے بھی سحری زبان
 کے دل دادہ نظم میں جائز ہی نہیں بلکہ خوبصورت جانتے ہیں۔

آتش کہتے ہیں ع بیڑیاں منت کی بھی بہتیں تو میں نے بھاریاں
 میر انیس ع بیڑیوں میں کود کے تلواریں ماریاں لاجد ع چلنے لگیں

جو فوج میں تیغیں دو دھاریاں باقی رہے اور بچو نیری متروکات جو کسی
 جگہ ضغطہ زبان پر محمول کر کے کہیں حرف کے بڑھ جانے کے خیال سے
 کہیں ذم کے پہلو کے لحاظ سے زبان سے خارج کر دینے کی طرف توجہ
 دلائی جاتی ہے جیسے کچھ لکھے دیجئے وغیرہ بروزن فعلن بجائے کچھ
 بروزن فاعلن یا تلک بجائے تک یا اوپر بجائے پر یا سمیت بہ
 معنی ہمراہ ومع یا یہ بجائے پر یا ایسے مصادر عربی جن کے آخر میں
 لت ہے جیسے وصلت بالضم یا علت ان کے علاوہ بھی اور چند
 الفاظ ہیں جو اس وقت یاد نہیں آتے باوجود امتداد و کوشش کے
 اب تک طبعاً محاورہ فقہا میں داخل تھے کہ جو حضرات ان متروکات
 کے مجوز ہیں خود ان کے اشعار میں موجود ہیں سبب ظاہر ہے کہ ہنوز
 نظر تالازم التکر نہیں ہیں۔ اس کے علاوہ جو وہ اس کے ترک
 کے دئے جاتے ہیں سینکڑوں مستعمل الفاظ میں وہ وجوہ موجود ہیں پھر
 تیریح بلا مزاج کے کیا معنی ہے ایسے الفاظ جو پہلوئے ذم کہتے ہیں
 وہ ہر زبان میں بہ کثرت ہوا کرتے ہیں اور نہ بھی ہوں تو چوتھے طبقہ
 کے لوگ اس کی گرفت کر کے بنا دیا کرتے ہیں مثلاً کسی شعر میں ”تو“
 آگیا ہو اس کو اشباع کے ساتھ اس طرح دہرا دیں گے جیسے کہتے تو
 پکارا جاتا ہی یا کسی شعر میں لفظ وصلت آیا ہو تو شہرت نفس سے
 (یہ لت بھی خوب) کہہ کر اپنے نزدیک مضحکہ کرتے ہیں یا مثلاً ”پر ہی“
 کے معمولی لفظ کو لکھے اگر انھیں اور بگاڑنا مقصود ہوتا ہی تو کہہ

اُٹھتے ہیں (یہ پر بھی خوب نکلا) تو اس کا جواب نہیں گریوں ہی انسان
 ایسے بد تمیزوں کے خوف سے ان مستعمل الفاظ کو ترک کرنا جائے
 تو بات کرنا دشوار ہو البتہ جن لفظوں میں صریح پہلوئے مہو اور اُس کا
 قائم مقام کوئی دوسرا لفظ فصیح موجود ہے تو فقط زبان جہال سے بچنے
 کے لئے اگر نہ استعمال کرے تو قباحت نہیں نہ یہ کہ زبان ہی سے
 اُس کو خارج بتایا جائے۔

اقسام منظومات ہماری اردو میں بھی وہی ہیں جو فارسی میں آج بھی
 یعنی غزل مثنوی رباعی قطعہ افراد مثلث مربع پنجس
 مسدس مبیع مثنیٰ معشر ترجیع بند قصیدہ اور یہ سب انھیں
 عربی بحر میں ہیں جن کو فارسی والوں نے برتا ہے۔ ان میں سے
 بعض اقسام کا بیان بقدر ضرورت کیا جاتا ہے۔

غزل عربی لفظ ہے اس کے چند معنی ہیں مشہور معنی معشوق کے ساتھ
 باتیں کرنا اور اصطلاح میں ایسے (کم سے کم پانچ یا زیادہ
 سے زیادہ بند) مختلف المصائب متحد القوافی اشعار کا جمع کر دینا
 بعض میں مطلع و مقطع ہو۔ متقدمین بلکہ متاخرین نے بھی غزل کے
 اشعار کی یہی تعداد لکھی ہے جو مذکور ہوئی مگر فی زمانہ تعداد مذکورہ
 سے گزر کر ساٹھ ستر بلکہ اس سے بھی زیادہ اشعار غزلوں میں
 کہہ جاتے ہیں اور حتمی الوسع (اگر کثیر القوافی ہے) پھر تو بعض مخزوں طبقہ
 پر جاہلستان میں کہ جتنے قوافی مناسب و غیر مناسب ہوں چھوڑتے

نہ پائیں۔ گویا تعداد اشعار کو معیار کمال سمجھا گیا ہے نہ کہ خوبی مضامین
 کو۔ اساتذہ شعرائے فارس (جو غزل سرائی میں مشہور و معروف ہیں
 جیسے استاد رودکی وغیرہ متقدمین یا خاقانی و انوری و سعوی و کمال
 اسماعیل وغیرہ متوسطین یا حافظ بابا فغانی ملائلی نظیری نیشاپوری
 ملاعرنی وغیرہ وغیرہ متاخرین تعداد مذکورہ کے پابند تھے ایسا نا اگر قدر
 مذکور سے کچھ اشعار دل پسند زیادہ ہو جاتے تھے تو مطلع و مقطع لگا کر
 دو غزلہ کر دیتے تھے اور مطلع بھی دو سے زیادہ نہیں لکھتے تھے۔
 مشائیر شعرائے فارس کے کلام میں (جن کے نام اوپر درج ہوئے
 یا جن کے نام طوالت کے خوف سے درج نہیں کئے گئے) شاذ
 و نادری دو غزلہ دیکھا گیا ہے کچھ غزلہ و چار غزلہ و پنج غزلہ۔ غزل کی
 معمولی تعریف میں اوپر لکھ چکا ہوں باعتبار محاسن و صفات کے اس
 کی تعریف یہ ہے کہ ہر چند رنگارنگ مضامین اس میں ہوں مگر اس لطافت
 و سادگی و عذوبت کے ساتھ دو ہی مصرعوں میں یوں دل کے جا
 گویا ایک فصیح و بلیغ شاعر کلام چھوٹے چھوٹے جملوں میں دل پسند
 طریقے سے بیان کر کے آب حیات کا دریا بہا رہا ہے دور کیوں جائے
 شیخ سعدی خواجہ حافظ امیر خسرو و ملا نظیری ملاعرنی (بابائے شعرا)
 فغانی مرزا صاحب طالب کلیم محمد جان قاسمی اور اور کثیر التعداد
 اساتذہ جن کی غزل سرائی کی دنیا کے شاعری میں دھوم مچی ہوئی
 ہے اور باقیہ شعرائے اردو جن کی تقلید کو اپنا سرمایہ کمال جانتے ہیں

اس غزل سرائی میں بھی ان کی تقلید سے تجاوز نہ کرے۔ فارسی گو اساتذہ
 نے غزل کا پایہ ایسا مہتمم یا نشان کر دیا ہے کہ شاید ہی کوئی زبان نگارنگی
 مضامین روانی میں اس سے ملکر کھا سکے غزل کے لئے جتنے لوازم دل پسند
 ہیں مختصر طور سے میں ان کو بیان کروں گا کوئی لازمہ اُنھوں نے چھوڑ
 نہیں دیا ہے۔ سچ یوں ہے کہ ان کی زبان (فارسی) قدرتی طور سے
 غزل سرائی کے لئے ایسی مناسب واقع ہوئی ہے کہ اگر ہم یہ کہہ دیں کہ
 فارسی زبان غزل کے لئے اور غزل فارسی زبان کے لئے مخلق کی گئی
 ہے تو کوئی مبالغہ نہیں ہے۔ شیرینی الفاظ و محاورات کے علاوہ اضافی
 کی مختصر مگر معنی خیز ترکیب نے طویل طویل مضمونوں کو یوں ادا کیا ہے کہ
 جتنے گوشے اس مضمون کے ہیں سب پر نظر دوڑ جاتی ہے اور سلاست تو اس کا
 حصہ ہے اسی بنا پر کہا جاتا ہے کہ نظم کی قسموں میں قسم جیسی دل کش ہے شکل
 بھی ویسی ہی ہے مگر تا شاید ہے کہ ہر موزوں طبع اسی کو آسان سمجھ کر چاہے
 اس کے نکات سمجھے نہ سمجھے چھوٹے ہاتھ ڈال دیتا ہے یا اعتباراً مضامین
 کے غزلوں کی چودہ قسمیں ہیں اور اگر ایک کو دوسری قسم میں شامل
 کر کے ضرب دیجائے تو شاید کئی سو قسم کی نوبت آجائے گی۔ توضیح اس کی ذیل ہے
 عاشقانہ عارفانہ صوفیانہ زندانہ آزادانہ حسرتانہ مسترانہ
 ناصحانہ طرفیانہ مادحانہ قادحانہ افتخارانہ عامیانہ صوفیانہ
 اسی تعداد پر منحصر نہیں ہے کیونکہ بعض شعر میں آزادانہ عاشقانہ دونوں
 مضامین آگے ہیں کہیں مادحانہ زندانہ مضمون دست و گریبان

ہیں اگر اس نظر سے دیکھا جائے اور ایک کو دوسرے کے ساتھ ضرب
 دی جائے تو جیسا میں کہہ آیا وہ اس محنت بہ تعداد ہو جاتی ہے۔
 قبل اس کے کہ اقسام مذکورہ منزل کی توضیح کی جائے ایک مقدمہ
 بیان کر دینا وضاحت مضمون کے لئے غالباً مناسب ہوگا۔
 غزل کے اصطلاحی معنی جن لوگوں نے مکالمہ بازیاں کے لئے
 ہیں یہ معنی ایک تو واقعہ کے برخلاف ہے دوسرے نہایت تنگ
 ہے اس سے لازم آتا ہے کہ جو مضمون اس کے برخلاف ہے اس کو داخل
 غزل نہیں کیا جاسکتا حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ جیسا کہ اوپر اقسام مضامین
 غزل کی فہرست میں مذکور ہوا۔ شاید کسی زمانہ میں یہ محدود تعریف غزل
 پر صادق آتی ہو۔ بعض نے اس کی تعریف صرف مکالمہ یا معشوق
 کی ہے البتہ یہ معنی کسی قدر معنی اول سے وسیع ہے گو کہ جامع نہ سہی
 معشوق ایک عام لفظ ہے چاہے کوئی ہو مگر زیادہ تر مناسب مقام
 یہ ہے کہ ہم معشوق کا اطلاق غیر ذو عقل پر نہ کریں۔ ایسی حالت
 میں معشوق یا مجازی ہوگا یا حقیقی۔ یہ بھی اچھی طرح سے معلوم ہے کہ
 نیکروں ہزاروں شعرا میں شاید ہی کوئی ایسا شاعر ہو جو سچے اور اپنے
 اوپر گزرنے والے واقعات کو نظم کہہ پکرتا ہو ورنہ خاص کر کے عشق و
 عاشق کے مضامین تو خیالی ہی ہو آگرتے ہیں اسی لئے وہ قابل تعظیم
 اساتذہ شعرا جو اپنے کلام کے پایہ کو بلند اور بکار آمد کیا چاہتے ہیں
 انھیں خیالی مضامین کو استعاروں کا جامہ پہنا کر پردہ مجاز میں

حقیقت کا اظہار ایسے موثر اور دل کش طریقہ سے کرتے ہیں کہ خود
 اُن کا اور سامع کا نفس متاثر ہو کر حقیقت کی طرف جھکے اور رفتہ
 رفتہ اس کا اثر اور اس قسم کی مضمون آفرینی کی فراوانی حقیقت
 کی طرف کھینچے۔ اُن باتیں و ذی معرفت شعرا کی غرض قریب قریب
 کل مقام معشوق سے معشوق حقیقی ہی ہو کر تھی پھر جتنے لوازمات
 ایک مطبوع خاطر معشوق بجاڑی کے لئے درکار ہیں ان لوازمات
 کو یہ کمال شوق و ذوق اسی استعارہ کے پردہ میں وہ ادا کرتے
 ہیں یا مثلاً شراب کباب میخانہ و ساغر و خم و مینوش زیند و مہچہ
 وغیرہ ظاہری الفاظ جو اُن کے کلام میں پائے جاتے ہیں ان سے
 یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ نے الحقیقت وہ سبق و فجواریں آلودہ ہیں
 بلکہ یہ جتنے الفاظ ہیں سب استعار ہیں پھر یہ بھی نہیں کہ مثلاً شراب
 کے لفظ سے ہر جگہ اُن کی غرض شراب عرفان ہی ہو یا ساقی سے
 ہر جگہ ساقی کوثر (رسول اللہ یا علی مرتضیٰ) ہی مراد لی جائے
 (جیسا کہ عموماً ناواقفوں کا گمان ہے) اگر اُن کے نازک باریک
 باریک استعارے ہر جگہ ایک ہی معنی رکھتے تو اُن کے کلاموں
 کی تشریح کرنے کی ضرورت بہت کچھ سا قط ہو جاتی۔ اُن کے
 دل پسند و دل کش و موثر استعاروں کا رخ خود طریق ادا و تمیز
 استعمال ایسے چھپے طور سے بدل دیا کرتے ہیں کہ چشم بینا ہی کو
 اس کی جھلک نظر آتی ہے۔ سبیل کے عمد عتیق والے حصہ میں

حضرت داؤد و حضرت سلیمان علیہما السلام کی بہت سی
 غزلیں مندرج ہیں جن کا نام ہی غزل الغزلیات ہے اور جن کو لقب
 زیور کا دیا گیا ہے۔ یہ غزلیں ان کی زبان میں موزوں اور اس
 زبان کی متداول بحروں میں داخل ہیں گو کہ ترجمہ کی حالت میں
 بجائے نظم کے وہ سب نثر میں ادائیگی ہیں تاہم ایسی حالت
 میں بھی مصرعوں اور بیتوں کا فرق امتیازی قائم رکھا گیا ہے
 یہی غزلیں وہ ہیں جو معرفت الہی و عشق حقیقی کے جوش میں
 اکریہا بنیائے کرام اکثر سیاہیوں پر بیٹھ کر اپنے دل کش غزلوں
 کے ساتھ ہاتھ میں ساند لیکر بہروں کا پہرہ گایا کرتے دو چہرہ
 و طیور و انسان اس اعجازی غزلوں اور عرفانی مضامین پر جو
 استعارہ کے پردہ میں چھپے ہوئے تھے تصویر حیرت بن جاتے
 تھے۔ وہ اپنے انتہائے ذوق میں یہاں تک کہہ گئے ہیں کہ
 اے میرے عشق اگر تو میرے پاس قدم رنجہ کرے تو میں
 (گو اس قابل نہیں ہوں) مگر گرم پانی سے تیرے پاؤں کی
 خاک دھوؤں تیرے پاؤں میں تیل ملوں تیرے لئے گدگدا
 اور نرم بستر بچھاؤں وغیرہ وغیرہ، کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ وہ
 خوار رسیدہ نیرنگوار اتنا بھی نہ جانتے تھے کہ یہ جتنے لوازمات ہیں
 ذات اقدس باری تعالیٰ ان سب سے پاک و منزہ ہے
 تعالیٰ عن ذلک علواً کبیراً۔

بنا بر ل کے اس مفہوم کے مکالمہ یا معشوق اگر قطع نظر ذرا سلسل
 توانی سے کی جائے تو جتنے ادعیہ ماثورہ ہیں سب پر اطلاق عمل کا
 ہو سکتا ہے۔ اب یہ بات دیکھنے کی ہے کہ اس کو پہچاننے میں ہر
 طریقہ اور استعاروں کے لئے کیا کیا شرائط ہیں۔ ان صابان
 عرفان کا ذکر نہیں ہے جنہوں نے قال کو حال بنا لیا ہے اور نہ ان کا
 تذکرہ ہے جن کی شان میں یہ کہا گیا ہے ع ز آواز دولا بستی کند
 یہ مراتب انہیں ایسوں کے ہیں جو گرونا تک جہا کے اس ہرے کے
 مصداق ہیں ۵ در دواردین بھئے جہہ دیکھوں تہہ توئے کانگر
 یا تھر ٹھیکری بھئے آرسی موہ۔ کہتے ہیں کہ ڈرو دیوار میرے لئے آئینہ
 بن گئے ہیں جس طرف دیکھتا ہوں تجھی کو جلوہ گر پاتا ہوں (یہاں تک
 کہ کنکر ٹھیکری بھی میرے لئے آرسی ہو گئے) عورتیں اس چھوٹے
 سے آئینہ کو انگھوٹھی میں جڑو الیتی ہیں) امیر المومنین علی سے کسی نے
 پوچھا کہ اپنے خدا کو دیکھا ہے فرمایا کہ میں کیا ان دیکھے خدا کی عبادت
 کرتا ہوں؟ غرض ۵ کار پاکاں راقیاں از خود گیر ہاگر چہ باشد
 در فوشتن شیر شیر۔ بغیر ان مراتب پہ پہونچے ہوئے ایسے الفاظ اور
 اس طریقہ سے مضامین کو ادا کرنا کہ جس میں محض چھوٹے راہن اور بازاری
 مجازی معشوقوں اور اپنی دل پسند عورتوں پر تمام تر صادق آئے یا صاف
 صادق بے ادبی پائی جائے ایسی زبان اور ایسے قلموں کے لئے زیبائیں
 ہیں جو ان مراتب پہ پہونچے ہوئے نہیں ہیں۔

یہ قیود میں اس واسطے لگائے ہیں کہ ایسا نہ ہو ہر عامی اور ہر نابلدہ اور ہر فاسق و فاجر اپنے یا غیر کے کلاموں میں بھی جو بحالت خبری و اشتعال قوت یہیمہ تصنیف ہوئے ہیں بلند معنی زبردستی پہناتے کے لئے مستعد ہو جائے اور واقفان فن و مرناض یا کمالوں کے حقوق پائمال ہو کر گناہ الگ ہو اور اس اعلیٰ درجہ کے ستاروں کی بھی مٹی خراب ہو جائے۔

دراضح ہو کہ عاشقانہ وہ کلام ہے جس سے انتہا محبت و شوق و ذوق نیکے اور گو کہ معشوق کی بے اعتنائی و غفلت جو روح جفا یا عشق و محبت کے سبب سے عزت و حرمت و ہوش و خواص بلکہ جان بمانے کی نوبت تک آجائے مگر بجز اظہارِ مسرت اور خوشی خاطر عاشق کے مطلق کسمت کی بونہ پید ا ہو۔ اگر مجبتانہ گلہ و شکوہ یا اپنی حالت زار کا اظہار بھی کرے تو پیرایہ بیان ایسا ہے کہ جس سے عاشق کا اکتا جانانہ پایا جا بلکہ برعکس اس کے شوق و ذوق ہو پید ا ہو (عشق حقیقی میں اسی کو رضا و تسلیم سے تعمیر کرتے ہیں) اور بیان اس کا بہت طویل ہی ایسے عشق کے مدارج بہت اعلیٰ ہیں۔ ہر چند معشوق کی شان میں قاتل سفاک جلا دشوخی وعدہ خلاف دشمن جفا پسند بانی ظلم وغیرہ لفظوں سے مجبتانہ خطاب کرنا جائز الا استعمال ہے مگر یہ سب پیار کے الفاظ اس طرح نہ آئیں جن سے معشوق کی شان یا اپنے دامن شوق و محبت پر کسی طرح کا دھبہ آئے بلکہ یہ الفاظ بھی ایسی

دل کش ترکیب سے آئیں کہ اپنے ذوق و شوق اور محشوق کے کوشش
 حسن کی شان بہت بڑھتی دکھائی دے یا اپنی حالت زار کا
 کیسے ہی مبالغہ کے ساتھ اظہار کیوں نہ کرے مگر اس سے شبہ
 بھی اس کا نہ پایا جائے کہ اپنے ولولہ شوق و محبت میں کچھ بھی
 کمی ہو حسن ظاہری و مجازی و عشق و محبت غیر حقیقی تک
 میں بھی (جو بطور نقدین طبع شعر کہے جاتے ہیں) اگر مقصود
 اظہار عشق و محبت ہو تو یہی رخ ہے اور شعر کا سچا پین اس سے
 نمایاں ہو چنانچہ قیس عامری عاشق لیلے کا عربی دیوان اس کا
 شاہد ہے کہ اس غریب سے عاشق نے جتنے اشعار عشق لیلے میں
 کہے ہیں اگرچہ عشق اس کا مجازی تھا مگر چونکہ سچا اور نسق و مجوز
 کے خیال سے خالی تھا اس کے قریب قریب سب شعر ایسے ہی
 ہیں کہ اگر لیلے کا نام نکال دیا جائے تو بے تکلف محشوق حقیقی کی
 شان میں اطلاق کیا جاسکتا ہے۔ عاشقانہ شعر میں اگر ایسا رخ
 انتہائے بلاغت کے ساتھ اختیار کرے کہ باوی لہنظر میں طرح
 مجازی ہونے کا دھوکا ہو تو حد سے زیادہ شعروثر ہوتا ہی
 لئے کہا گیا ہے کہ مضمون شعر اور استعارہ کے لوازمات پر جہاں تک
 پسندیدہ پردہ ڈالا جائے شعروں میں مزہ اور لطف بڑھتا جاتا ہے۔
 استعارہ کی جڑ تشبیہ پہلے یہ دیکھ لینا چاہئے کہ وجہ شبہ ناقص
 یا غیر مناسب تو نہیں ہے یا مشابہت پیدا کرنے کے لئے بہت

کچھ نہ جان کر نے کی تو ضرورت نہیں ہے۔ پھر یہ دیکھتے ہیں کہ الفاظ مناسباً
عامیانه و بازاری تو نہیں ہیں جن سے دہن ادب عصمت پر داغ
آتا ہو۔ عرض کہ عاشقانہ شعر کے پہچان لینے کے لئے مذکورہ بالا بیان
کافی ہے بشرطیکہ ذہن سلیم سے کام لے۔

ایخسرو کہتے ہیں **۱** دلہ در عاشقی آوارہ ش آوارہ تریبادا ہ
تخم از بیدی بیچارہ شد بیچارہ تریبادا ہ کہتا ہے کہ میرا دل عشق میں
آوارہ ہو گیا (تمنا ظاہر کرتا ہے) کہ الہی اس سے زیادہ آوارہ ہو جائے۔
میرا جسم بغیر دل کے بیچارہ ہو گیا کاش اور بھی بیچارہ ہو جائے۔ آتش کہتے
ہیں **۲** قاتل جزائے تیرے تیرے تیغ کو ہذا زخموں کے منہ کھلے ہیں
جنت کے در کھلے۔ معنی و مطلب ظاہر ہیں جن سے تمام تر ذوق
و شوق ہو گیا ہے۔ بعض ایسے بھی شعر ملتے ہیں کہ ایک مصرع تو اچھا تھا
عاشقانہ تھا مگر دوسرے مصرع نے اس کو بگاڑ دیا مثلاً پہلے مصرع میں
تویہ کہا کہ آگاہ ہے جو رستم کو ہم کرم و مہر و محبت سمجھا گئے مگر ای تو
اس پر بھی تم نہ سمجھے تو تم سے خدا سمجھے، ایسے اچھے عاشقانہ مضمون کو
خدا سمجھے کہہ کر اور ایک معمولی رعایت بت اور خدا کی بدولت بگاڑ
دینے سے شعر عاشقانہ پن سے الگ نکل گیا اور طرح حجاز کا پہلو غالب گیا
اس مضمون میں کئی جگہ استعارہ کے لفظ کو استعمال کیا گیا ہے اس لئے
مناسب معلوم ہوتا ہے کہ شمال دیکر ذہن نشیں کروایا جائے مثلاً آتش
مرحوم کہتے ہیں **۳** ادب تا چند ای دست ہوس قاتل کے دہن کا۔

سنجھ سکتا نہیں ادب و ش سے بوجھ اپنی گردن کا۔ اگر استعارہ کے پہلو اور حقیقی رخ کے خیال سے دیکھا جائے تو معنی اور مطلب شعر کے یہ ہوں گے کہ قاتل سے غرض اصل مارنے والے (خدا) سے رکھی ہوئی نہ سنجھ سکتا گردن کے بوجھ کا اپنے جسم پر اس سے غرض یہ ہے کہ زندگی دو بھر ہے۔ قاتل حقیقی کے دامن کا پکڑنا اس سے غرض استدعا موت سے ہے چونکہ طلب موت ناجائز اور برخلاف ادب ہی مگر شدت ضرورت ہر ناجائز کو جائز کر دیتی ہے تو اب حاصل معنی شعر کے یہ ہوتے کہ ہم کہاں تک صدمہ و غم عشق میں برداشت کریں (کیونکہ برداشت سے باہر ہے) یہاں تک کہ (گو ادب کے برخلاف ہو) مگر اب ضرور ہے کہ قاتل کے دامن کا ادب نہ کیا جائے (یعنی گونا گونا جائز ہو مگر استدعا سے موت کرنا چاہئے۔

ایک دوسرے شاعر کا یہ شعر ہے **تہ شمشیر کیا مشکل نہ رکھنا اپنی گردن کا** مگر آسان نہیں پچاننا قاتل کی چیتوں کا۔ آہتا ہے کہ طلب موت تو مشکل نہیں ہے مگر قاتل کی چیتوں (یعنی مرضی) کا معلوم کر لینا آسان نہیں ہے (یعنی یہ مقام طلب موت کا ہی یا نہیں ہے اور قاتل کی مرضی بھی اس بارہ میں ہی یا نہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ جو شعر امر تراض یا فطر تا مذاق صحیح رکھتے ہیں اور سبھی بوجھ رکھتے ہیں ان کے کلام میں زیادہ تر ایسے ہی عالی مضامین ہوا کرتے ہیں گو کہ کبھی کبھی وہ ایسے بھی شعر کہہ جاتے ہیں

جیسے معمولی شعر کہتے ہیں اور جو شعر تابلد اور اہل ہوس ہوتے ہیں چاہئے
اتفاق سے اُن کے کسی شعر میں ایسے عالی مضمون نکل آئیں مگر اُن کا اعتنا
نہیں ہی جیسے کسی موزوں طبع لڑکے کے بعض شعر استادوں کے شعر
سے بڑھ جاتے ہیں۔

عارفانہ وہ شعر ہے کہ سارا شعر یا کوئی لفظ اُس میں ایسا رکھا گیا ہو کہ گو
مشترک المعنی ہو لیکن حقیقت اور معرفت کی طرف ظاہر الدلائل ہو
امیر خسرو کہتے ہیں **۱** مگر من از سجد آستان کشتی گشتم بد ہمیں
جاکش مراباے کہ سر بر آستان افند۔ کہتا ہے کہ اگر میں سجدہ ہی کرنے سے
مار ڈالنے کے لائق ہو گیا ہوں تو اپنے ہی آستانہ پر (جہاں میں نے سجدہ کیا
ہے) قتل کر دے کہ میرا سر بھی میں گریے اگر چہ یہ شعر عاشقانہ ہے مگر سجدہ
کے لفظ نے عارفانہ بھی اس کو بنا دیا اور طبیعت کو دوسری طرف دوڑا
دیا۔ کہیں مضمون اور بندش ہی شعر کی ایسی ہوتی ہے کہ معرفت کی طرف
ظاہر الدلائل ہو حضرت خواجہ میر درد فرماتے ہیں **۲** تجھی کو چو یا
جلوہ فرماندیکھا + برابر ہی دنیا کو دیکھا نہ دیکھا۔ کون کہہ سکتا ہے کہ یہ شعر
سمجھ کر نہیں کہا گیا ہے اور مجازی عشق سے مراد رکھی ہے۔

آتش مرحوم کہتے ہیں **۳** تارتا پیر میں میں رہی ہے بوئے دوست
مثل تصویر نہالی میں ہوں اور پہلوئے دوست + اس بڑھ کر توحید
ومعرفت اور کیا ہوگی۔

صوفیانہ وہ کلام ہے کہ بجز حقیقی پہلو کے کوئی اور قریب یا بعینہ پہلو اُس سے

نہ تکلے اور اصطلاحیں بھی تمام تر تہری ہوں جو تصوف و معرفت
 و توحیدگی ہیں چونکہ استعارہ سے اُس میں بہت کم کام لیا جاتا ہے
 اس لئے ایسے اشعار پھیلے اور بے لطف ہو کر رہے ہیں اسی کو مولانا
 روم فرماتے ہیں ۵ خوشتر آن باشد کہ سر دلیراں ہا کفہ آید
 در حدیث دیگر اں۔ ایک اور حقیقت شناس کہتا ہے ۵
 مشور متکر کہ در اشعار ایں قوم ہا ور اے شاعر عری حیرے دیار است
 یہ حیرت گر کیا ہے وہی باریک باریک دل کش استعائے اور مناسب
 موقع ابہام اور تناسب الفاظ و بندش اور ندرت خیال اور
 ٹھیک جگہ پر محاورے اور پھر مجموعہ حالت کے ساتھ سلاست
 و روانی و نیک جس کی گنجائش محض صوفیانہ کلام میں نہیں ہوتی
 حالانکہ ویسے شعر کا کہنا یا سندا داخل حسات ہو۔ صوفیانہ شعر مثلاً
 ۵ اس عالم ہستی کو تو نے ہی بنایا ہے ہ خلوت میں تو ہی ہ خلوت میں
 تو ہی ہ مثلاً ۵ بل جاؤں گا کبھی میں فنا ہو کے ایک دن ہ
 دریا ہے تیری ذات میں اُس میں جناب ہوں۔ یہ شعر صوفیانہ
 ہے اور چنداں ندرت اس میں نہیں پائی جاتی اب اگر اس مضمون
 کو یوں کہہ دیا جائے ۵ کسی کے حسن کے دریا میں سیل اگر آئی ہ
 جناب و ابہاس کی امید و آ نکھیں۔ تو شعر کا رتبہ بلند اور صاف
 طرح صوفیانہ سے نکل کر عاشقانہ و عارفانہ ہو جائے گا اور لطف
 کلام بھی بڑھ جائے گا کہیں صوفیانہ و عاشقانہ دونوں ہوتا ہے

جیسے تری ذات پر فدا ہوں گے جان و دل کے مالک +
جو تری طرف سے ہو بھی وہ ستم ستم نہیں ہے۔

فلسفیانہ وہ شعر ہے کہ جس میں کسی شے کو علت گردان کر ان کو بنا بر سر کے
عقلی طور پر استدلال کیا ہو عام ازینکہ وہ قلت یا استدلال تمام
ہو یا ناقص مگر شاعر اسی کو مسلم مان لے اسی لئے اہل علم استدلال
شاعرانہ کو مسلم نہیں مانتے مثلاً مرزا بیدل کہتے ہیں **منفعل**
می شد ز دنیا ہوش اگر می دشت خلق - صبر و منقل در مذاق گاو
خر لوزینہ بود یعنی خلاق کو اگر ہوش ہوتے تو دنیا سے نفرت کرتی (اب
اس مصرع کو ایک دعو ا سمجھنا چاہئے اس کے بعد تشبیہ کے ساتھ اس کو
کا ثبوت دیتا ہے) صبر (یعنی صبر) او تھوہر (خطل) گاو خر کے مذاق
میں لوزی (حالانکہ در حقیقت یہ دونوں چیزیں کسی بدعم و تلخ نہیں - ظاہر
ہے کہ گاو خر کو اتنا ہوش ضروری کہ جو صبر بدعم و تلخ ہی اس کو منہ نہیں لگاتے
چنانچہ تجربہ شاہد ہے کہ گاو خر بھی ان چیزوں کو سونگھ کر چھوڑ دیتے ہیں مثال
جس پر استدلال کیا ہے خود ناقص ہے مگر شاعرانہ حیثیت سے لائق اعتراض
چندان نہیں ہے کسی جگہ کوئی مسئلہ استدلال میں پورا بھی ہوتا ہے مثلاً
تمے حسن بے بدل کا کبھی یہ ثمر نہ ہوتا + تو ہی تو کبھی نہ ہوتا میں
ہی میں اگر نہ ہوتا - اس میں مخاطب کی یکتائی کو اپنی یکتائی سے ثابت
کیا ہے اور استدلال منطقی سے بھی درست ہے یا مثلاً آتش کہتے ہیں **منفعل**
مطلبت سر نوشت کا سمجھا تو شکر کر + دیوانہ ہو جو حال قضا و قدر کھلے۔

مزارِ قریح سودا ۷ سودا قمار عشق میں شیریں سے کوہکن بہ بازی اگر ہم
 پانہ سکا سر تو کھوسکا۔ کس منہ سے پھر تو آپ کو کہتا ہر عشق باز ۶
 اے رو سیاہ تجھ سے تو یہ بھی نہ ہو سکا۔

سرتانہ وہ کلام ہی جس سے بر خلاف حسرت و یاس اظہار
 خوش و سرور ہوا آتش ۷ ہر شب شب برات ہی ہر روز
 روز عید سو تارہوں ہاتھ گردن مینا میں ال کے لاعد ۷
 اس خوشی سے تہنیت دے دیکے یوں کہتا ہر دل ۶ وصل کی شب
 و مبارک دوست کو پہلو سے دوست۔

صحا نہ وہ شعر ہی جس میں اخلاقی یا غیر اخلاقی بند و نصائح ہو للاحد
 ۷ آخر ہی عمر ضیق میں دل بھی ہو جان بھی ۶ مردانہ باش ختم ہی
 ۷ متحان بھی راسخ ۷ شناسا گو نہو تیرا کوئی پر تو تو گو میرا للاحد
 ۷ مصیبت جس سے زائل ہو وہی سامان کر دے گا ۶ نہ کہہ آتا
 ۷ سب مشکلاں آسان کر دے گا۔

ایفانہ وہ کلام ہی کہ جس میں کوئی مضمک لطیفہ پیدا ہو اس کی
 ۷ تمہیں سمجھنا چاہیں ایک وہ کہ جس میں محض کوئی لطیفہ یا ہر
 ۷ بات ہو دوسرے وہ کہ ظرافت کے ساتھ نصیحت بھی ہو قسم اعلا
 ۷ پہلی قسم میرا نشاء اللہ خاں ۷ یہ جو مہنت بیٹھے ہیں دھا
 ۷ کتہ پیر۔ اوتار بس کے گرتے ہیں پریوں کے جھنڈ پیر ۷
 ۷ کل محفل رندان میں بہت آئے گئے ہا خوب مجبور تھے کچھ وعظ

بھی فرمائے گئے۔ رتد پہلے تو یہ منت انھیں سمجھائے گئے۔ آخر الامر
 وہ اس طرح نکلوا گئے۔ پابند دست دگرے دست بدست دگرے۔
 دوسری قسم مرحوم اکبر الہ آبادی ۵ ہم ایسی کتابیں لکھیں جنہیں
 سمجھتے ہیں۔ کہ جن کو پڑھ کے بیٹے باپ کو خطی سمجھتے ہیں۔
 مادحانہ غزل کا وہ شعر ہے جس میں کسی خاص شخص کی مدح ہو۔
 ناصر علی کی غزل کا مطلع ۵ ای شانِ حیدری ز جبین تو شکا
 نام تو در نہر دکنہ کار ذوالفقار لاجد ۵ عزیز و شاہ
 عالم کیر و ریسر مد کی آتی ہو نہ ایسا بادشہ ہو گانہ ایسا اب گدا ہو گا
 مادحانہ وہ شعری جو مادحانہ کے برخلاف ہو۔ جرات ۵
 جو نام مصطفیٰ خاں آئے وقت صبح اور جرات ۵ عوض کھانے کے
 انسان نے سبب شام غم کھائے۔

لیکن یاد رہے کہ غزل سی یا کیزہ چیز میں اس طرح کے ناپسندیدہ شعر
 داخل کرنا جس میں ذاتیات پر حملہ ہو سخت معویہ اور ہمتی
 ہی شعروں میں پڑھنا اور بھی بد تیزی ہے۔
 افتخار انہ وہ شعری کہ شاعر اپنی مدح آپ کرے لاجد ۵
 میں اگر جمع کروں دیواں کو ۵ نام معدوم ہو خاقانی کا۔
 از ان قبیل شعرا نے کثرت سے اپنی مدح آپ کی ہے۔ ہر چند کثرت
 استعمال سے ظاہر اعیب نہ رہا ہو مگر فی نفسہ نہایت ہی
 ناپسندیدہ ہے بلکہ مخفی طور سے لوگوں کے دل ایسی بلند پروازی

سے چر جاتے ہیں۔ اگرچہ جن شعرا کے اقدار درست تھے وہ بھی اس فعل میں
 شریک ہو گئے ہیں مگر یہ کیا ضرورت ہے کہ اس اخلاقی میں بھی ان کی پیروی کی جائے
 سو قیامت وہ اشعار میں جن کے مضمون میں چھپو پاپن اور الفاظ بازاری ہو
 ناز و انداز و عشوہ کرشمہ وغیرہ سب سے یہ بات نمایاں ہو کہ زنان یا زار
 و قاسقہ و فاجرہ کی طرف اشارہ ہے عشق سی پاکیزہ چیز کو بوس رانی میں
 دھب لگا یا جا رہا ہے یا مثلاً سودےء محبت کو دکھانا مقصود ہے تو فرمایا جا
 رہا ہے کہ اک کچھی سی گڈی پہنے یا تنگ ہنرنگ سے منڈا ہوا دست پناہ
 لئے ہوئے کوچہ کی خاک اڑ رہے ہیں اس قسم کی تصویر اپنی کھینچا کر لیکر
 یہ یا یا لکنا یہ ہی ہے ایسے بخش مضامین لانا کہ نوجوانوں کی قوت پر ہی
 جوش میں آئے۔ ایک جہا فرماتے ہیں خدا کے واسطے آج کل
 ذرا تو کھسکاؤ۔ تمھارے سینہ پر بچاں بھار کیسا ہے وہ میری
 شگنائی کا حصہ کہاں ہے میں سب سے چکا ہوں چھپانے سے حاصل
 وہ صاحب گو بند ابر معانا مبارک وہ بندہ کو بالابتنا مبارک۔
 ایک صاحب ارشاد کرتے ہیں جب سوال و حل پر کرتا ہوں
 مند۔ ڈر کے کہتے ہیں کہ ہم اچھے نہیں۔ اس سے بھی بخش
 نوروں کا انتظار کرے کون حشر تک ہے سے
 زور و ہر شباب میں تکلف یہ کہ دیوان میں چھپو ابھی دیتے ہیں۔
 نسوس زمانے! اے رکاکت کی مثال ملاحظہ ہو ایک صاحب
 دیوان معلومہ میں فرماتے ہیں اب تو صورت سے ہے

لغت بجات عباس ڈو کی درگاہ میں آئے تو زیارت نہ کریں۔ ایک
 صاحب افادہ فرماتے ہیں **۵** وہاں کاراٹوں کو چھپ چھپ کے
 میرے گھر آنا پڑا کرے چڑھاتے ہوئے پانچے اٹھائے ہوئے۔
 وغیر ذلک من اقوالہم فاجتنبوا ایہا الاخوان۔ یہ امر مسلم ہے کہ شعرا
 ہر طرح کے مضامین نظم کرنے کے مجاز ہیں شعرائے عجم نے ہر شے پر
 بے اعتدالیوں کی ہیں انوری تو انوری ہے حضرت شیخ سعدی سا بزرگ
 کب اس سے بچا ہوا ہے لیکن حالت یہ ہے کہ یہ سب بزرگوں اس
 زمانہ میں تھے کہ قوم و سلاطین امر اکا اقبال مساعدا دولت علیش
 و عشرت کا وفور۔ دن ات بجز کھیل تماشے کے اور کوئی کام نہیں
 یا لغزش ملک ارسی وغیرہ میں مشغولی بھی ہو تو اس سے فراغ حاصل
 کر کے انواع مضحکات میں صرف اوقات کیا کرتے تھے شعرا جن کو
 سلاطین و امرا سے طلب منفعت کی امید تھی ان کو خوش کر کے نعام
 لینے کے خیال سے ایسے ایسے محض مضامین کے نظم کرنے کی
 بھی ضرورت پیش آتی یہاں تک کہ بہ کنایہ بھی نہیں بلکہ
 انوری نے تو صاف صاف خود اپنے بیٹے اور بیٹی کی وہ فحش
 تصویر کھینچی کہ العیا باللہ لیکن ساتھ اس کے وہ لوگ
 یہ بھی سمجھتے تھے کہ یہ باتیں جبری و اخلاق سوز ہیں اسی لئے غزل سے لگیزہ
 پیر میں ہرگز ایسے اشعار داخل نہیں کئے ہیں بلکہ مضحکات و مطائبات
 میں محض سب کیا ہی گزرتی تو یہاں ہی کہ زمانہ کہاں سے کہاں آتی

میں آگے بڑھ گیا نہ ویسے فارغ البال سلاطین ہیں نہ امر ایسے لغویات
 پر ہزاروں روپے القاع دیں نہ ان کی ایسی یہودہ فرمائشیں ہیں مگر خود
 اپنے اپنے مذاق و رنگ کی تصویر غزل سی چیز میں داخل کر کے نوجوانوں
 کی قوتِ بھیمہ کے اُبھارنے کو فقط اتنی ہی بات کے لئے کہ ایسے
 لوگ واہ واہ کریں اور ہمو کوڑا استاد شاعران ہیں خلاق سوز شعرا
 صرف کہے ہی نہیں جاتے بلکہ چھوٹے بھی جاتے ہیں۔
 یوں تو ہمارے شعراء اردو کے شعراءِ عجم کے طرز کی تقلید میں توسع
 کوئی بات اٹھا نہیں سکتے مگر جہاں تک ہماری نظر جو اب تک دو
 باتوں میں کامیابی نہیں ہوئی ہے ایک تو عارفانہ و عاشقانہ سلسل
 مضمون کی غزل اردو زبان کی میں نے نہیں دیکھی حالانکہ شعراء
 عجم نے اکثر اس قسم کی غزلوں میں اپنا جو بہر کمال دکھایا ہے چنانچہ
 عظیمائے شمسازی کی ایک غزل میں نقل کرتا ہوں۔

وہو ہذا

گفت با بچہ سازد گفتش در بکر چہ گفت	صد آمد گفتش آن ماہ سیمین گفت
گفتش جمع ست از یا خاطر طراز بر چہ گفت	گفت یا خود ز ہد تویش نگر از پیر و
گفتش کمتر شمر دم از تن المندر چہ گفت	گفت سر ابایدش از خاک کہ کمتر شمر
گفتش من سو ختم دریا با کتہ گفت	گفت جسم لائش از غضب خواہم سو
گفتش بر باد گشتم در حقش چہ گفت	گفت خاکستر جو کرد تو ہمیشہ بادا

گفت در محشر ہر ایک دم زندہ تشریح کریم
گفت بخوشتر تیار شد در حساب عاتق
گفت با ما بر لب کو تر نشیند عاقبت
گفت دیگر نگر در بر خاطر من با کریم

گفتش من تدرہ گردیم زین تر سر
گفتش این ہم حسابی از لب کو تر
گفتش گر عاقبت این است خوشتر
گفتش دیگر بگو گھما گھما دیگر
گفتش دیگر بگو گھما گھما دیگر

ارباب معرفت خوب جانتے ہیں کہ قاصد (پیغمبر) اور معشوق (حقیقی) ہوتے ہیں۔
کیا غرض ہو باقی مضمون کی تشریح کی ضرورت نہیں ہے۔

فارسی کی ایک اور بات غزلوں میں عیسائے تقلید معلوم ہوتی ہے فارسی میں
الف تداہیمہ یا وحدت یا توصیف ایسی چیزیں ہیں کہ کلام کو مختصر کر
نہایت خوشنما و موثر کر دیتی ہیں مگر ہماری اردو شاعری اس سے محروم ہے
ملاحظہ ہو **دل** ز من بردہ بتے سنگ لے سیم ہے۔ طرفیہ یاد ہے
مہرے مہرے سر و قدے خوش کرے۔ شوخ جاو نظرے۔ فتنہ آفت
جانے بت زریں کلے۔ غیرت مہر و مہے کا فیرے دشمن دینے صنم کینہ ویرے
دلبرے عشوہ کرے۔ غور کرنے والوں نے غم کیا ہی بھر اس کا بعینہ ایسے
الفاظ لائے جائیں کوئی صورت تصرف کی ایسی نہیں معلوم ہوتی کہ یہی لطف باقی
الف تداہیمہ کے لطف کو دیکھئے امیر و خسرو کہتے ہیں **سر و قد** سمن
برائنگ قبا کے کیستی لالہ رخا و دلبر اجلوہ نامے کیستی +

غزلوں کے بارہ میں خاص کر کے علمائے ادب نے یہ ٹھہرایا ہے
کہ سہل مستحق ہو یعنی باوجود انتہا درجہ کی سلاست و روانی کے (جیسا کہ
لغات شعریہ سے جاوا پرند کو رہ چکا) اگر کوئی کہنا چاہے تو کہنا اس طرح

دشوار ہو سچے اگر دشوار نہ ہوتا تو ہر شخص میر تقی میر جاتا۔ بدر چاہ بیجانا
 آسان ہے مگر سعدی و حافظ بتائے خیلے دشوار۔

میں قبل بھی بصرحت لکھ چکا ہوں کہ اصلیت اور ڈھانچہ ہماری
 زبان کی (ہندی) ہے جو بوج بھاشا سے کسی قدر بگڑ کر نکلی ہے اسی حالت
 میں لامحالہ اس زبان کو بھاکھا سے طبعی موانست ہونی چاہئے مگر
 چونکہ یہ جمہوری اس میں الفاظ فارسی وغیرہ ایک مدت سے ملتے رہے
 اور بھاکھا کے ساتھ بے اعتنائی رہی اس لئے موانست فارسی
 سے رہی۔ جو زبان جس ملک اور جس قوم میں اچھ اور مادری ہوتی
 ہے ضرور ہے کہ اس کا لٹریچر بھی موافق اس ملک اور قوم کے مذاق
 کے ہو ورنہ اگر انصاف کے ساتھ غور کیا جائے تو ان نچرال و برزخالا
 فطرت ضرور ہوگا۔ چاہے کثرت عادت و خراولت سے مانوس اور
 فطرت ملک قوم کے مطابق کیوں نہ معلوم ہو بلکہ عادت اور کثرت
 استعمال کے سبب سے یہ حالت پہنچ گئی ہو کہ اگر اس قوم و ملک
 کے اصلی و فطری مذاق کو کوئی موجودہ زبان میں برتنا بھی چاہے گا
 تو کانوں کو ناگوار اور آنکھ کو مغموم ہو مثال کے طور پر ملاحظہ فرمائیں
 کہ سیر انجھانل ددمن وغیرہ کو سودائے عشق میں وہی رتبہ حاصل ہے جو بھاشا
 میں لیا جھون یا ایران میں نرہاد و شیریں کو ہے۔ ایران میں ایک بیچارے
 غم رسیدہ بلبل یاغوں میں چنچا کرتی ہے مگر اس ملک میں بکوکلا کوئل
 پہا قراق میں ایسے ایسے دل کش تالے اندھی رات میں کیا کرتے ہیں

کہ ان کی شہرہ کی کوئی لہریں کو تہ پادیتی ہے۔ سپہانی کہاں کی حسرت یا مین
 صد سے دلوں کو برباد دیتا ہے۔ وہاں جیوں اور جیوں کو دریا بہا لگا لگا
 آپ حیات کا مزہ دیتے ہیں وہاں کوہ ہامون سودا زدگان عشق کے
 سر پھوٹنے کے لئے موجود ہے تو یہاں کوہ ہمارا دہندہ چل جیسے پہاڑ
 میں جن کی نظیر دنیا میں نہیں ہے۔ اختلاف مذاق کی اس سے زیادہ
 کیا دلیل ہو سکتی ہے کہ وہاں بڑے بڑے مصلح و سنجیدہ ایک سادہ
 بے ریش مرد کے عشق میں گرفتار ہو کر جتنے لوازمات ناگفتہ بہ
 ہیں سب ادا کرتے ہیں۔ یہ بدترین اخلاق اور خلاف قانون
 فطرت بات شاعری کے سیرایہ میں کھپ جاتی ہے ورنہ ہمارے ایسے
 اشعار جن سے ہزاروں یوان بھرے پڑے ہیں غیر قوموں اور غیر
 ملک والوں کے سامنے ہر طرح ذلیل و رسوا کر دیتے (تکلف یہ ہے کہ
 غیروں پر مختصر نہیں ہے ہم خود جو کسی قدر سنبھل کے چلنے کے عادی
 ہیں چونکہ ہمارا مذاق شاعرانہ ہی اس ذلت کو گوارا کر کے ہوتے اور یہ
 عیب ہم کو عیب ہی نہیں دکھائی دیتا نہایت خوشی و فخر کے ساتھ
 بحسب تقاضائے ترکیب شعر ذرا بھی پس پیش نہیں کرتے اور
 اکثر ویسے ہی شرمناک مضمون داخل غزل کرتے ہیں مگر بقول شاعر
 ایک حمام میں سب پرہیزہ ہیں کوئی کسی پرہیزہ نہیں سکتا اگر ان
 تمام شرمناک مضامین کو استعارہ پر محمول کیا جائے تو بھی بے گنتی
 ایسے ایسے مقام ملیں گے جہاں مطلق استعارہ کی گنجائش نہیں ہو سکتی

اور بالفرض ہو بھی تو ان استعاروں کو یوں برت کر تباہ کر دینا اور پہلا
 عیش کی سی ناجائز تصویروں کا پیش کرنا کون سی انسانیت ہے۔ ہمارے
 قابل و لائق و مہذب ذی علم و زبان داں شعرا لفظوں کے ترک
 کرنے کے بارے میں تو اتنی کرید کرتے ہیں (گو یا مسئلہ یا حکم شرعی ہے)
 مگر مضامین شرمناک کی طرف (جس میں بلاشبہ بازخواست عقبے کا
 خوف ہے) مطلق توجہ نہیں فرماتے العجب ثم العجب گو یا انھوں نے
 شاعری کے سے شریف و ہم گیر و وسیع فن کو انھیں چند معمولی لفظوں
 کے جانتے اور اس کے اظہار تک محدود سمجھ لیا ہے۔ بلاشبہ فارسی لہجے
 کی طرف سے یہ مقول غلط ہو سکتا ہے کہ ہماری زبان میں افعال مذکورہ
 و موت میں کوئی فرق امتیازی نہیں ہے چاہے اس سے مراد مرد
 چاہے عورت بلشک یہ سچ ہے مگر جو تصویر و خط و خال و لوازمات قائم
 کئے جاتے ہیں وہ تو کسی طرح عورت پر صادق ہی نہیں آسکتا۔
 البتہ ہمارے اردو زبان کی شاعری میں جو صیغے اور افعال معشوق
 کے بارے میں مذکور استعمال کئے جاتے ہیں اور سب لوازمات عورت
 کے دکھائے جاتے ہیں یہ بہت ہی پسندیدہ ہے اور اس میں بجز خوبی
 کے کوئی رکاوٹ پائی نہیں جاتی تماشہ پیر و سیاہی اشعار فارسی
 ایسے لوازمات سے بھی اجتناب کریں جن کا اطلاق محض مرد
 پر ہو تا ہے جس میں محض خلوص و راقسوس کے ساتھ ان مضامین
 کو لکھ رہا ہوں کوئی صاحب بجا تشبیح اور عمامیانہ نکتہ چینی پر

ہرگز معمول نہ کریں۔ جب میں خود اس شرمناک فعل میں مبتلا ہوں تو دوسروں پر طنز و تشنیع کیا کروں گا۔ ہماری تنگ خیالیوں اور بیجا نکتہ چینیوں کی یہاں تک حالت زار پہنچ گئی ہے کہ تبدیل مذاق تو بہت دور دراز ہے اگر انھیں چند روزی لفظوں کو جیسے لیلے مجنوں فریاد و شہساز سمجھوں سچوں وغیرہ کی جاہ پر میرا بھرا یا بھر تری وہ حالہ بندھا لے دینا کرے تو خدا جانے کفر و زندقہ کا فتوا اس کے بارہ میں ہو یا الحاد کا پھر یہاں یہ حالت ہو ایک اکیلا شخص کیا کر سکتا ہے۔

واضح ہو کہ زبان بجا کھاؤ سنسکرت بلکہ ہندوستان کی کل زبانوں میں بجز اس اردو عورت کی محبت مرد کے ساتھ مرد کی عورت کے ساتھ برتی اور دکھائی جاتی ہے فقط خیالی نہیں بلکہ واقعوں ہی کہ یہاں کی عورتیں جائز طریقہ سے اپنے مردوں کی عاشق زار ہوا کرتی ہیں۔ ان کو ابتدا ہی سے یہ تعلیم دی جاتی ہے کہ دنیا میں ما پیر مشیر (خدا) ہی یا تمہارا شوہر ہی یہاں تک یہ محبت اسخ ہو جاتی ہے کہ شوہر کا کوئی فعل ان کے مخالف نہیں ہوتا سوتیا بھل عورت کے لئے ایک طلحی شہ ہے ہر چند اس کا سخت اثر یہاں کی عورتوں کے دلوں پر بھی بہت زیادہ ہوتا ہے مگر چاہئے کہ شوہر کی محبت و اطاعت میں کوئی فرق ظاہر کریں یا چھین چھین ہوں غیر ممکن ہے۔ یہاں کی عورتوں کی محبت کا جوش اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے کہ اپنے مرد شوہر کی لاش پر جو ہزاروں

من لکڑی کی بے پناہ آغ میں جلائی جا رہی ہے روانہ دار لکڑی اور خوشی
 خوشی زندہ جل جاتی ہیں پھر نہیں کہ اگر اس متوفی کی کئی کئی عورتیں
 ہیں اور اس تعداد ازواج کا بد اثر شوہر کی طرف سے ہو غیر ممکن ہو
 جتنی ہوں گی کوئی تلاش کے پاؤں کو کوئی ہاتھ کو کوئی سر کو گوڑ میں
 لے بیٹھتی ہے اگر اعضا تک رسائی نہیں ممکن ہوتی تو تلاش کے کفن
 کے گوشہ ہی کو بیکر گرتی ہو جاتی ہیں اگر تلاش کے ساتھ کسی وجہ
 سے جلنا غیر ممکن ہوا تو اپنے پیاسے مردہ شوہر کا کوئی کپڑا یا کوئی
 ہتھیار ہی سہی منوں لکڑی میں رکھ کر اور اس میں آگ ڈال کر
 بلند شعلوں کے اندر کود کر جل کر خاک ہو جاتی ہیں اگر احمقانہ بات
 کسی سخت روک کی وجہ سے میسر نہ ہوتی تو بعد شوہر کے لہذا نڈ دینا کو
 بے اوپر حرام کر لیتی ہیں ہی سر کے بال جن کے تحریف میں حراسیگڑوں
 یا انگوٹوں سے کام لیتے ہیں بے تکلف منڈاؤں کی ہیں کیسا کرنا اور کہا
 کا عمرہ لہاں کی ہستی اور کیسا کا جل کہاں کا بستہ اور کیسا تیرا
 سب کو تانے اس طرح دل سے بھلا دیتی ہیں گو یا یہ خیر نہیں سمجھی ان
 کے استعمال ہی میں تھیں بلکہ شبہ فی صدی نصف ایسی بھی یعنی ہیں
 ریاسے یہ افعال کرتی اور حقیقت فاجرہ ہوتی ہیں ان کو
 متنبہ کر کے اگر دیکھے تو بھی غالباً کسی قوم اور کسی ملک میں اس شدت
 و فساد ہی نہ پائے گا۔ پھر مثالی مشہور ہے کہ تالی دونوں ہاتھ سے جیتی
 مرد کی عشق و محبت کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتے۔ اگر یہاں کے

تاریخی اور سچے حالات عشق و محبت کی داستان جو فسق و فجور سے کوئی
دور ہو لکھی جائے تو شانہ کئی دفتر حج کرنا ہو۔

مذکورہ بالا لائن و مرد کی فطری دیا کہ محبت کے علاوہ یہاں کہ حسب
موسم سال بھر تک عشقیہ مضامین کے لئے حد سے زیادہ مناسب و
با اثر ہیں اگر مملکت ایران میں خیال کیجئے تو صرف حمل کی تحویل سے
لیکر جوڑا تک جتنی خوشی چاہئے منیہ لے آئی فصل میں عرب بیل جس قدر
ہو سکے نعرے مارے۔ بعد کو تو ہر بار سی آزادی کی اجازت ہی
زیدگی یہاں البتہ بیسیا کہ سے لیکر نصف اساطیر کو یاد دھانی مہینے
تک جس قدر چاہئے موسم کی شکایت کر لیجئے اس پر بھی جو بیوں
اس ملک میں افراط سے دولت تھی اطمینان تھا یہی سخت گرمی
کا موسم معتدل اور راحت رساں ہو جاتا تھا۔ عمدہ عمدہ کئی کئی
منزل کے مکانات خس کے بنگلے خس کی ٹیٹیاں صبح و شام پانی سے
سینے ہوئے باغوں کی تروتازگی شیریں نہروں دریاؤں کا لہرانا
ہر جگہ بکروں اور کشتیوں کی افراط اسی فصل سے پھلوں و میووں
کا پھلنا راتوں کو مکان کی چھتوں و صحن میں باہم دوستوں کا
مل بیٹھنا اور ہوا کی خشکی کا لطف اٹھانا حسب مناسبت موسم جا بجا
مذہبی میلوں کا ہونا۔ دو چار گھنٹے دن کی مصوبت گرما کا پورا نیم البدل
ہو جاتا تھا۔ سیر اور موسم معتدل و فرحت افزا خصوص ہر سات
کا تو کچھ پوچھنا ہی نہیں ہے۔ یہی وہ موسم ہے کہ کلے کلے ابر نیلے آسمان

ہر چھنا نا شروع ہوتے ہیں فحشہ یا بی کے چھٹیوں سے زمین کا رنگ
 بدلنا شروع ہو جاتا ہے ٹھنڈی ٹھنڈی صحت افزا ہوا میں ہر طرف چلنا
 شروع ہوتی ہیں یہی وہ موسم ہے کہ پتھر سے ہونے والے عاشق و معشوق
 و ملا دیتا ہے۔ ہر مہینے میں گئے ہوئے گھر پھرتے ہیں باغوں میں کثرت
 سے عیش آرام کے سامان مہیا ہوا کرتے ہیں آموں کے درختوں میں
 و سے اس کثرت سے آجانے ہیں کہ بار سے ڈالیاں زمین پر جھک
 تی ہیں فالسے انار رنگتے کو نئے مختلف رنگوں اور مختلف رحمت
 نش خوشبوؤں سے دل و دماغ کو تازہ کرتے ہیں انگور کی طرح آم کے
 ر کے لالگوں لاکو خوشے اپنی اپنی میٹھی اور جاباں فرا شمیم سے دل کو طہینے
 سے ہیں آموں کے انجان درختوں میں ہر فلک جھوٹے ان پر رنگا
 لک جوڑے پہنے پیرا دوں کا ہلکے ہلکے بیگانے پنا اور اس موسم کے
 راقی چیزوں کا دل کش لذتوں کے ساتھ گانا اسی طرح ہوا دیوالی
 نت کے مختلف موسموں میں مختلف عیش و عشرت کے سامان ساتھ
 کے ان موسموں کے سامان کو مذہبی رنگ میں رنگنا اسی کے
 تھری اور پاک محبت کی جیتی جاگتی تصویروں کا پیش نظر ہونا۔
 یہاں کے بڑے بڑے مہماتما کبیشروں کا ان سامانوں خصوص یہاں
 ہی اور پاک محبت سے متاثر ہو کر مبالغہ سے کوسوں دور ہو کر اپنے
 لکبتوں اور سچی ہونی نظریں میں ان مضامین کو لیکر مناسبت تعارف
 شیروں کے ساتھ حقانیت و روحانیت و معرفت کے مفہوم

پیدا کرنا تاکہ میری نظم محض کھیل اور ہوس رانی نہ سکھائے۔ ان پنجہ سنج
 کبھیوں اور شاعروں کے ساتھ کولوں پھیوں جیوں اور مختلف صد
 کی ذرا پرتوں کا ہم زبان رہنا۔ کیا یہ سب ایسی چیزیں ہیں کہ
 شعر کے دلوں اور خیالوں پر اثر نہ کریں اور پھر جب اس اثر سے ان کے
 دل و دماغ بہرور ہیں تو ان کے کلام جاذب قلوب با اثر نہوں
 نتیجہ ممکن ہے مگر دل چاہتے بھلا اہل دولت یا ذی علم پندرتوں کا تو کیا
 تو کمری حیرت یہاں کے ان گلے ان پڑھ اور پست درجہ کی قوموں
 پر ہے جنہوں نے اپنی گنوا ری زبان میں طرح طرح کے ایسے ایسے
 گیت اور سچے عشق و حسن کی داستائیں موزوں کر رکھی ہیں کہ اگر کوئی
 عاشق خدا (یہ شرطیکہ اس زبان کو سمجھے بھی) سن لے تو حد سے
 زیادہ متاثر ہو جائے۔ بعض گنوا کہنیاں کے گیت بھی سننے میں جوابداز
 کی گنوار عورتیں تقریبات یا باغوں سے میوہ چننے وقت یا قافوں
 میں گائے جاتے ہیں۔ میں نے عرب کے حدی خوانوں اور تقریبات میں
 جو گیت گائے جاتے ہیں بہت شوق سے سنے اور مضمون سمجھے
 ان کی کوشش کی ہے میں نے جنگ احد میں کفار مکہ کے جوش میں لگا
 کے لئے جو گیت دف پر بعض مشہور عورتوں نے گایا تھا جس کا
 تاخیر نے حضرت امیر حمزہ عمیر بن عبدالمطلب کو قتل کو دیا کتابوں میں
 پڑھا ہے جسکی ابتدا یوں ہے **سے** سخن بنات الطاسرقا
 امشی علی التماسرقا۔ (مجموعتیں آسمان کے ساروں

بیٹیاں ہیں۔ محلی اور گدگد بے چھوٹوں پر چلنے والیاں ہیں (شاید زبان کے نہ جاننے سے وہ لطف محکوم ملتا ہو لیکن قطع نظر اس کے آخر مفہوم اور مقصود تک تو انسان پہنچ سکتا ہی یا نہیں اور پھر بغیر ترجمہ کروائے یہاں کی بھاکائیں کب سمجھ میں آتی ہیں۔ تاہم چند لفظوں کے سمجھنے سے مفہوم تو ضرور سمجھ میں آجاتا ہے۔

اور اور دل کش طرزِ ادا و موثر مضامین کو جاننے دو محض خطابیات کو لیلو ہماری اردو کی شاعری میں محشوق کی طرف جن جن لقب سے خطاب کرتے ہیں اس کی کوئی کمی نہیں ہے۔ جلاد قاتل سفاک وعدہ خلاف بہ جانی تند خو غرض کہاں تک لقب گنواؤں ان سیکڑوں خطابوں میں شاید کنتی کے ایسے خطاب ہیں جن کے الفاظ بیاکے اور دل کو کھینچنے والے ہیں جیسے لبر جانِ جاں محبوب محشوق دل ربا وغیرہ۔

اول تو یہاں کی ہندی اور بھاکھا زبان میں ان خطابیات کی کوئی تحد نہیں ہے جہاں جیسا مقتضائے مضمون دیکھتے ہیں وہاں ویسے ہی دل کش اور چھپے ہوئے مطلب کے مناسب القاب سے خطاب کرتے ہیں (جیسا آگے بیان ہوگا تاہم شام بروگی بیہوشنگھاتی وغیرہ بہ کثرت خطاب ہیں اور اکثر ایسے ہیں جن کے مفہوم کو اردو کا کوئی خطاب پوری طرح ادا نہیں کر سکتا ہی ایک ایسی جزم سنگھاتی کو لیجئے اس کے مفہوم میں کتنے پاک خیالات داخل ہیں ہے وہ خطابا

جو اس مضمون کے اعتبار سے اختیار کے بجائے ہیں ان کا لطف
ان مضامین ہی کے ساتھ ہے۔ قصیدہ اقسام نظم میں ہے اس
مشہور قسم کے موجد اہل عرب ہیں۔ قصیدوں میں والا ایک مطلع
ہوتا ہے باقی اشعار اسی قافیہ کے پیرو ہو کر تے ہیں قصیدے بہت
کم مرتب ہوتے ہیں اگرچہ اہل عجم نے فارسی میں اکثر مرتب قصیدے
لکھے ہیں قصیدوں کو اکثر تہمید کے ساتھ شروع کرتے ہیں پھر
مناسب طوے سے اصل مضمون شروع کرتے ہیں ایک مضمون سے
دوسرے مضمون کی طرف کھینچ جانے کا نام گریز ہے قصیدوں کے
اکثر مقدمے اور تہمید میں چونکہ ذکر بہار و ایام شباب کیا جاتا ہے
اس لئے اس تہمید کو تشبیب کہا جاتا تھا مگر اب ہر قسم کی تہمید کو تشبیب
کہتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ قصیدوں میں سات شعر سے کم اور سو شعر
سے زیادہ نہ ہونے چاہئیں مگر رفتہ رفتہ ایک ایک سو سے زیادہ
کے جانے لگے۔ کبھی کبھی بیچ بیچ میں پھر مطلع لگا دیا کرتے ہیں تاکہ
تازگی پیدا ہو جائے قصیدے میں زیادہ تر ممدوح کے اوصاف
بیان کئے جاتے ہیں اگرچہ اور اور مسلسل کسی مضمون کے بھی قصیدے
ہوتے ہیں کسی ممدوح کے اظہار غم و الحم کی تہمید میں جو سامعین پر
اثر پہنچانے کے لئے ممدوح کے اوصاف و محامد مذکور کئے جاتے
ہیں جس کے اشعار مثل غزل کے ایک ہی بحر و قافیہ ہوتے ہیں
وہ صوبہ قصیدے میں داخل ہیں اگر ترکیب مذکورہ کے ساتھ

کسی کی قبح مسلسل ہو تو وہ بھی قصیدہ کہا جائے گا مدح ہی تو مدحیہ اور بوجہ تو
 قدحیہ۔ فارسی زبان میں قصیدہ کا موجد عباس شہر مرو کا ہے تے والا ہی خلیفہ
 ماموں رشید جب شہر مرو میں داخل ہوا تو بطور خیر مقدم فارسی میں اسی نے
 سات شعر کا قصیدہ پیش کر کے امید سے زیادہ انعام پایا پھر کیا تھا
 شعرا کے جلیب منفعت کے لئے ایک معقول طریقہ پیدا ہو گیا متقدّمین شہر مرو
 فارس کے کلام میں مثل اہل عرب کے سادگی تھی جو ان کے زمانہ آگے بڑھا
 سادہ مضامین (جن میں فطری اثر تھا) وہ تو شرح ہو گئے ناچار شعر نے
 مبالغات و ایہامات و دیگر صنائع کو بطور ملزوم مالا یلزم قصیدوں میں
 اختیار کیا اس لئے قصیدے صلیت سے بہت دور جا پڑے۔ تمہیدی
 اشعار نہ بھی ہوں اور مسلسل مضمون بطور غزل کے متفقہ و موزوں
 ہوں تو قصیدہ میں داخل ہے۔

قصیدے حمد و نعت و منقبت کے علاوہ سلاطین و امرا و علما و حکما و حکماء
 وغیرہ وغیرہ کی خواہ مدح خواہ قدح خواہ اور کسی مسلسل مضمون کے کہے جاتے
 ہیں مگر زیادہ تر اطلاق مدح ہی پر ہوتا ہے۔ قصیدے مدحیہ پہلے تو سلاطین
 عظام و امراء کے با نام و نشان میں کہے جاتے تھے جن میں پہلے تو ان
 کے اوصاف ذاتی مثلاً صورت و شکل کی خوبی شجاعت و سخاوت و ولت
 و دیگر اوصاف بیان کیے جاتے تھے پھر ان کے اوصاف خارجی و زائد
 مثلاً امارت و ولت ان کی سواری کے گھوڑے یا تمہی کثرت خدم و
 حشم کو اظہار کرتے تھے پھر دعائیہ اشعار پختہ کیے جاتے تھے یا رفتہ رفتہ

اسن کے ابتدال کی یہ نوبت پہنچی کہ ادنے ادنے بنیوں اور چھری فرسوں
 ننگ کی شان میں کہے جائے لگے ذاتی اوصاف تو ذاتی ہیں ایسے ایسے
 لوگ جو کبھی ایک ٹو پر مارے ڈر کے نہیں چڑھے قصیدہ گو شعرا نے
 ان کے گھوڑے اور ان کی شہ سواری کے اوصاف فلک مفتح تک
 پہنچا دئے جس شخص نے فی عمرہ ایک چھری تک کمر میں نہ بنا دھی اس
 کی تلوار کے کاٹ کو ذوالفقار علی کے مماثل بنا بنا دیا یہ کیوں اس لئے
 کہ چار پیسے ملیں چاہے یہ شریف فن کیسا ہی بدنام و مبتذل کیوں سمجھا
 جائے پھر تکلف یہ ہو کہ اگر ایسا محدود قصیدہ ہی اور اس نے ایسے قصیدہ
 کو اپنی بچوں سمجھی اور شاعر صاحب کے قصیدے کے رتبہ سے (جس کو وہ
 اپنے نزدیک اہمائی سمجھے ہیں) کچھ کم دیا تو بچوں کے لئے طیار ہیں۔
 اگر خیال کیا جائے تو ایسے بے موقع اور بے جگہ مضامین بلند کا
 صرف کرنا بھی ایک حیثیت کر کے برخلاف شان بلاغت ہی البتہ
 مذہبی قصائد جو کہ جاتے ہیں ان کی صوت دوسری ہی ہاں خود
 مادی و سامع (جن کو سنانا مقصود ہوتا ہے) سب ایک ہی خیال
 و اعتقاد کے ہوتے ہیں ایسے خوش اعتقاد ان مقدس معدوہوں
 کے اوصاف و شان کو ان اوصاف ظاہری سے (مہر چند بظاہر کیسے
 ہی مبالغہ سے کام کیوں نہ لیا جا) کہیں بہتر سمجھ لے رہے ہیں ہاں یہ خیال ہی
 کہ ہر دو عالم قیمت خود گفتہ نہ ترخ بالا کن کہ از زانی ہنوز
 ایسی مدعیں اور ایسے قصائد بالضرورہ با موقع و مقتضائے حال کے

موافق اور حد و بلاغت کے اندر میں پھر کمون کر جاذبِ قلوب با اثر نہ ہوں۔
 قطع نظر قصائد کے اور اور اوصاف کے بعض بعض مدعیان فن شعر نے یہ سچے رکھا ہے
 کہ قصیدوں میں بے بے دھوم دھماکی ہوئے ہوئے الفاظ ہونے چاہئیں جن سے
 شانِ کلام کی بڑھ جائے۔ غالباً اس سے ان حضرات کی غرض یہ ہے کہ لغات غیر مستعمل کا
 سلسلہ عربی یا فارسی ترکیبوں کے ساتھ لایا جائے کہ اسے طلاعاتِ علمیہ کی سعادت
 رکھی جائے۔ تمام علمائے فن ادب کا اس پر اتفاق ہے کہ قصیدہ کے موجود اہل عرب میں اور
 اہل عرب کی فصاحت و بلاغت ہر طرح مسلم مان لی گئی ہے اہل عرب زیادہ تر
 قصیدوں ہی میں اپنا کمال اظہار کیا کرتے تھے عرب کا جو شاعر سب سے زیادہ سلیس
 و روان و باحاورہ اور مطابق حضرت کے قصائد نظم کرتا تھا وہی ابلغ و شعر
 مانتا جاتا تھا۔ بسوئے حلقہ امر القیس کا وہ قصیدہ جس میں اسے اپنی معشوقہ عینہ
 کا کچھ اچھا بیان کیا ہے یا لبید کا وہ قصیدہ **أدنت الیاد صلاھا**
 و مقاصد کے امتداد کی جو میسے بیان کے لئے دلیل و ضحیٰ جن جن الفاظ
 اور ترکیبوں کو یہ حضرات دھوم دھماکی بتا رہے ہیں وہ ان کے روزمرہ اور
 عورتوں اور بچوں تک کی زبان پر جاری تھے البتہ سلسلہ اور موثر طور سے
 ان الفاظ کا اپنی جگہ پر استعمال کرنا یہ ان کا کمال ہے کسی نے حضرت سلطان
 البلغا علی ابن ابی طالب سے پوچھا کہ ایام جاہلیت میں سب سے زیادہ
 اشعر الشعراء و تمہا اپنے فرمایا کہ الملک الفضیل وہی گمراہ بادشاہ بادشاہ
 گمراہ سے غرض حضرت القیس سے اس کے عینہ والے قصیدہ میں بخش معنیات
 بھرے ہیں مگر انہیں کہ مقتضائے حال اور فطرتی ہیں اس لئے بحیثیت شعر

وحسن بیان کے بے حد قابل تعریف و ولید کے قصیدہ آفت الیاری کی جوتی
 تعریف ہو وہ کیوں ہی اسی لئے کہ اس نے اس مقام کی (جس کا حسرت ناکہ حال لکھنا ہی
 پوری تصویر کھینچی ہے یہ مختصر حال تو اہل عرب کی قصیدہ گوئی کا لکھا گیا ہے
 فصحا و شعرائے عجم کے قصائد تو خوب یاد رہے کہ چوتھی صدی ہجری تک تو نہ
 قصائد میں اتنی ترقی تھی نہ اشعار میں طوالت چھٹی صدی سے شعرائے
 اس میدان میں پاؤں بڑھایا ابتداء تو اسی سادگی اور فطری مختصر اشعار سے
 کام لینا شروع کیا اور اہل عرب کے طرز بلاغت کے پورے مقلد رہے مگر جب
 خزانہ خالی ہوا تو ادھر ادھر دھن دورانے اور اوصاف زاید پیدا کرنے کی سخت
 ضرورت ہوئی رفتہ رفتہ مبالغات ایہام و دیگر صنائع کے بھر دینے کی ضرورت
 ہوئی یہاں تک کہ بعض قصیدہ گو صنائع و حیل کی تلاش میں شعر کے جوہر
 اعلیٰ یعنی مقصدائے حال کو بھی بھول بیٹھے۔ باوجود اس کے یہ جو سمجھا گیا ہے کہ
 دھوم دھامی الفاظ یعنی ہوئے ہوئے الفاظ ان کے قصائد میں ہیں یا ہو
 جیسے شنگول یعنی شوخ و زبہا شبہ گوں معنی پوت کا رنگ غراب معنی ایک
 قسم کا جہاز۔ نذاب معنی گداختہ شدہ مجتہد حلقہ در حلقہ بال قصیدہ سب السبع کے
 بڑھا ہوا۔ مجتہد حیا کے ہزار در ہزار ایسے ہی الفاظ جو ان کی زبان و زبیر
 میں داخل ہیں مطلق نامالوس نہیں ہیں۔ چونکہ متاخرین شعرا میں قحالی شیری
 نے خاص کر کے قصائد ہی میں اپنا کمال ختم کیا ہے اور شاید ہمارے حضرات کی
 دھوم دھامی الفاظ سے اسی کے مختار الفاظ سے غرض ہو جن کے جمع
 کرنے کا وہ بادشاہ ہے (سے جزا اس نسبت سے) ترکیبیں اور الفاظ وہی اختیار

کہ ہیں جو سلمان سا وحی و حکیم سنائی کے ہیں مگر تعریف یہ ہے کہ ایسے الفاظ
 کے استعمال کا موقع خوب بکھتا ہے اس بارہ میں اس کے جتنے قصائد ہیں
 غالباً اجتماع الفاظ دل پسند میں اس کے سوا کہ سترہ قصیدہ لا جواب ہیں
 از تجملہ یہ قصیدہ ہے جس کی تشبیب یوں شروع کی ہے **۱** بگردن باداں
 تیرہ ابرے بر شد از دریا۔ جو اہم خبر و گوہر بنو گوہر ریز و گوہر زامیشہ گوں
 چوں شب عاشق گرفتہ چون ل عاشق۔ بر تگ طرہ واسق مثال دیند عذرا
 اسی قصیدہ کے آخر میں مام رضاع کی مدح میں کہتا ہے **۲** باوصاف
 تو قاتی دہر داد سخن دانی۔ کند امروز دہقانی کہ تا حال بر فردا سخن تجم است
 واود بہقاں ثنا مزع عمل ایماں۔ نشاندہ اندر میزان کہ چند خوشہ در جوزا
 اسی قسم کے دوسرے قصیدہ کی تشبیب یہاں ہے **۳** بہا آمد کہ رگلبن ہی
 بانگ ہزار آید۔ بہ ساعت خروش مرغزار از مرغزار آید۔ تو گوئی ارغنون
 بستد بہ شاخ و بہر گے۔ ز بس بانگ تدر و بلبل و دراج و صارا آید۔ پھر کہتا
۴ کہ در سنبلستان ہ من ز ولیدہ کیسوا کہ از سنبل بہ مرغم بویے جاں
 بے اختیار آید + الیاسا قیامی وہ بجان من پیای وہ + دما دم ہی نور وہی
 وہ کہ می ترسم خمار آید + یکے بر لالہ پاکو بد کہ ہی ز رنگ می دارد + یکی از گل بوجہ
 آید کہ بخیل بچہ یا آید۔ ایک دوسرے قصیدہ کو حسن طلب سے شروع کرتا ہے **۵**
 رسی نامہ دلدار دشمن از شیرازہ دماں گرفتہم و بوسیدم و کشودم ہا ہا نوشتہ پور
 مرا کی مقیم گشتہ بہر چہ پوئے داد کہ دل بہر گشتی از شیرازہ۔ شنیدہ ام کہ بہی
 شاہدان شکلول اند۔ ہمہ شکاری و بچہ گریہ و ضیہ انداز۔

کون کہہ سکتا ہے کہ اس میں ایک لفظ بھی ایسا ہے جو وہاں محاورہ میں دوزمرہ
 مستعمل نہ ہو۔ فارسی زبان کا آشنائی دوسری بات ہے مگر جن لوگوں کی
 عمریں پچھارے ایران کی صحبت میں ختم ہوئیں ان کے نزدیک یہ اشعار
 ایسے ہیں کہ جیسے فصیحائے شیراز و صفہاں آپس میں باتیں کر رہے ہیں۔
 شاید جیسا کہ میں نے اوپر کہا قصیدہ کی تعریف بیان کرنے والوں کی عرض
 دھوم دھامی الفاظ سے یہ ہو کہ تشبہ وغیرہ میں اصطلاحات علمیہ کو
 صرف کرے اگر درحقیقت اصطلاحات علمیہ بطور خاقانی کے یا بطور
 ملا عرنی کے یا جیسے نعمت خان عالی نے کامگار خان الی ہجو جس کا
 پہلا مصرع یہ ہے **بار دیگر کہ خدا شد خان والا منزلت کہا ہے اور ان**
 اصطلاحات علمیہ سے تشبہ وغیرہ کا کام بھی لیا ہے تو ان کی علمیت و خوبی تلاش
 اس سے ظاہر ہوتی ہے ہاں اگر معمولی مشہور اصطلاحات کے نام سننے سنارے فقط گنوار
 کہے ہیں تو بعض علم و خوبی تلاش کے شاعر کا مبلغ صاف کھل جاتا ہے کہ یہ
 باتیں علم سے تو علاقہ نہیں رکھتی ہیں فقط نمودار ہی مقصود ہے۔

خاقانی وغیرہ کے قصائد کے بعض اشعار جو محل طلب ہو گئے ہیں اس کی توجہ پر
 گزری۔ اپنے کہاں اردو میں جتنے قصائد میں دیکھے ہیں (اگرچہ اپنے اپنے طور
 پر سب اچھے ہیں) مگر پھر بھی مرزا رفیع سودا کے قصائد مدحیہ ہوں یا قدحیہ
 ہر اعتبار سے کہے ہوئے ہیں۔ فی زمانہ جبکہ ہر چیز کی چھان بین کی جا رہی
 ہے قصیدہ حمد و نعت منقبت کا تو کیا کہنایوں کی کسی مدوح کی شان میں کہنا
 مستحسن ہے بشرطیکہ مدحت دان کے اندر ہے اول تو غیر مستحق کی شان میں بھلا

جس کا ذکر ان کے حالات میں کیا گیا ہے لیکن سچ یوں ہے کہ نظامی
 امیر خسرو دہلوی کی لیلیٰ مجنوں شیخ سعدی کی بوستاں فردوسی کے
 شاہنامہ مولانا روم کی مثنوی حکیم سنائی کے حدیقہ فیضی کی نل میں
 بجا بھی کی سوتہ الابرار وغیرہ وغیرہ نامی مثنویوں تک ایک بھی نہ پہنچی باوجود
 ترانہ اور چابوتی بھی کہتے ہیں موجد اس کا استاد ڈکی ہی حکیم شاعر ایک دن
 بازار میں چلا جاتا تھا راستہ میں چند لڑکے گولیاں کھیل رہے تھے یہ تھا شاید کچھ
 لگا ایک چالاک لڑکا اپنی گولی کو لٹکا کر سورخ کی طرف لے چلا تا لیا
 بجا بجا کہتا جاتا تھا **غلطان غلطان** ہی رو درین گو وہ کوئی بھی
 حسب مراد گڑھے میں گر گئی آستانے اپنے خیال میں موزوں پا کر غور کیا تو حقائق
 لگانے سے پتہ لگا کہ مصرع بحر مزج میں ہے اس کے دو دائرے بنا ایک دائرہ میں
 بعد اس مفعولن سے کر کے بارہ اوزان قائم کئے پھر دوسرے دائرہ کو مفعول سے آقا
 کر کے اس میں بھی بارہ اوزان قائم کئے اور چار مصرعوں پر اس کی بنا رکھی چارے
 میں قافیے رکھے مگر متاخرین نے تیس مصرع کا قافیہ ضروری سمجھا پہلے رباعیوں
 میں خلاقی و معرفت کے مضامین دا کہے جاتے تھے چنانچہ ابو سعید ابو الخیر نے
 تو ایک یو ابن حکیم ہی رباعیوں کا چھوڑا ہی۔ تیسرے کی رباعیاں بھی بل ذوق کو
 تر پڑھتی ہیں۔ علم خیام نے غریبیت میں حقائق و وقایع کے مضامین لعل
 کر کے بڑی شہرت پائی۔ مگر اردو میں اب تک کسی کو دور تہ نصیب نہ ہوا
 قلمت میں سی حل و مشا ہزادہ ابن یمن نے جو بابت اور نام پایا وہ بھی
 کسی کو نصیب نہ ہوا قطعاً اور قصیدہ میں یہ فرق ہے کہ اس میں مطلع نہیں ہوتا

دو شعر کو مسلسل ہونا چاہئے اس تسلسل کا نتیجہ آخر شعر میں گرنا ہے اور
 مستحسن ہو تو قطعہ کی تعریف ہی۔ ترجیح بنیہ ہو کہ کسی مطلع پر ہم وزن قطعہ
 یا متفق قوافی کے ساتھ بطور شعر ابیات ایسے ہوں کہ اس مطلع کے لئے ہرگز
 کے ہو جائیں۔ معترضہ ہو کہ کسی شعر پر آٹھ مصرعے لگا کر دس بنائے مشعر
 اگر سات مصرعے لگا کر تو مصرعے کر دے اسی طرح مثنیٰ یعنی دو مصرعے لگا کر
 آٹھ کر دے صحیح دو کومات بنا کر سدس لیک مطلع پر چار مصرعے مقفے خواہ
 مردق لگا دینا چاہئے مطلع والے قافئے کے مطابق ہو یا نہ ہو بلکہ ہونا مستحسن
 مثنیٰ ایک شعر پر تین مصرعے لگانا مربع ایک شعر پر دو شعر خواہ ایک ہی
 مصرعے پر تین مصرعے لگانا۔ قطعہ اور رباعی اور مربع میں یہ فرق ہے کہ رباعی
 بحر بحر مربع کے اور کسی بحر میں نہیں ہوتی اگر قطعہ میں چار مصرعے ہوں تو پہلے
 نام سے اسی طرح مربع بھی پکلا سے بہا پھکتے ہیں مستزاد کسی شعر یا غزل
 کے وزن مقررہ میں فرض کرو آٹھ ارکان ہوں اس کو دس یا بارہ ارکان دینا
 مثلاً **ع** ما علا تن فعلا تن فعلا تن فعلن میں قافیا علا تن فعلن دور کن
 اسی طرح دہائے مصرعے کے چار رکن کو چھ کر دینا کہیں ایک ہی
 رکن مقررہ وزن کے مصرعے میں بڑھا دیتے ہیں سدس بحر دس میں بھی
 مستزاد آتا ہے مگر کم۔ ان تمام اقسام مروجہ کے گنوا دینے کے بعد میں پھر کہتا
 ہوں کہ چاہئے نظم کی جو قسم ہو جب تک دو چیزیں چھپے طور سے اردو کی
 نظم میں شریک نہ ہوں گی قیامت تک قاری کی کسی متانت و فصاحت
 و دل کستی اردو نظم میں پیدا نہیں ہوگی چہ جا کہ بھا کھا جیسی لربانی و

ذل گرفتگی چنانچہ کسی قدر تو اس کو میں پہلے بیان بھی کر چکا ہوں پھر بھی کہتا
 ہوں کہ فصاحت و بلاغت کے بیان میں جتنے شرائط اور پر نکور ہوئے
 بعض بلکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ شعر میں وہ سب باتیں تو موجود ہیں مگر وہ
 شعر طبع سلیم و ذوق صحیح کے دل کو جذب نہیں کرتا اور کانوں کو اپری پری
 سا معلوم ہوتا ہے بعض دفعہ یہ ہوتا ہے کہ مضمون شعر تو اعلیٰ درجہ پر پہنچا
 ہوا ہے اور لفظ اپنے اپنے ٹھکانے پر ٹھیک ہیں مگر ڈھار ڈھار سا ہے
 اور وہ لہجہ نہیں رکھتا جو شعر کی اصل خوبی اور جان ہے۔ اسی کے مقابل
 میں باعتبار مضمون خوبی بندش کے اگر بلاغت کے رد سے توجیہات
 قائم کئے جائیں تو دوسرے شعر سے یہ شعر نسبت ہو گا دل کو جو یہ شعر
 (جس میں جو بات و محاسن بلاغت اس شعر سے کم ہیں) مزہ دیکھاتا
 ہے وہ نہیں دیتا۔ غالباً میرے اس بیان کی وہ حضرات ضرور تصدیق
 فرمائیں گے جنہوں نے ایسے شعروں پر بہت غور کیا ہے۔ شیخ بہانی نے
 کشتول میں سی بارہ میں ایک نقل لکھی ہے کہ دو شاعروں کے دو شعر
 ایک ہی مضمون کے تھے مگر ایک شعر جس کے سامنے پڑھا جائے عام ہو
 یا جاہل وہ اس کی بی وقعت نہیں کرتا تھا اور جس کے سامنے دوسرا شعر
 پڑھا جاتا تھا وہ کہہ اٹھتا تھا۔ شعر الاول ابودمن ہذا معنی و بیان
 و بلاغت کے تمام قواعد کا پورا لباس اسی دوسرے شعر کے قد پر مزین تھا
 مگر پہلے شعر کے سامنے پھیکا ہو جاتا ایک بٹے ادیب سے پوچھا کہ آیا سبب
 اس کا کیا ہے انہوں نے کہا کہ بھائی بات یہ ہے کہ طبع سلیم و ذوق صحیح

کی معیار کے آگے کوئی معیار نہیں ٹھہر سکتی اگرچہ فنون ادبیات بھی
 طبع سلیم و ذوق صحیح ہی کی معیار پر بنے ہیں مگر ذوق صحیح کا احاطہ کہاں
 تک ممکن ہے۔ آغانی نے بھی اک عربی گیت کے بارہ میں قریب یہ
 اسی کے ایک نقل لکھی ہے۔ غور کرنے والوں کو ضرور سوچنا چاہئے کہ
 آیا اس کے کیا وجوہ ہیں جہاں تک ممکن ہو کوشش سے اس کتبہ کو
 دریافت کریں نہ یہ کہ قصص بے پردائی کو دخل دیں۔ میں نے
 اکثر فارسی کے عمدہ شعروں کا ترجمہ حتی الوسع اردو میں کئی کئی طریقہ سے
 نظم کیا اور کوشش کی کہ جتنے الفاظ جن جن معنوں اور مطالب کے ساتھ فارسی
 شعر میں اردو میں ان سے تجاوز نہ ہو اکثر اس بارہ میں کامیابی بھی ہوئی
 مگر وہ دل پسندی جو فارسی شعر میں تھی نہ پائی اپنے مذاق کو صحیح نہ جان کر
 اور اور یا مذاق دوستوں کو تسایا سب سے نقدیق کی کہ بلاشبہ فارسی شعر
 کی جاذبیت و دل پسندی طبعی ہوئی ہے۔ اس سے زیادہ بجا کھا کے درپہ
 میں جاذبیت و اثر پایا۔ ایک میں نہیں بلکہ ایسے باتمیز لوگ بھی جو بجا کھا
 کے الفاظ کو پوری طرح نہیں بلکہ ٹٹول کے ساتھ کچھ کچھ کہتے ہیں سب
 کو اپنا ہم زبان پایا اس بارہ میں بھی بہت غور کیا کہ آیا ایسا کیوں ہے
 کہ ایک اجنبی زبان کے شعر ہماری مانوس زبان سے آخر کیوں اثر میں پڑھ
 جاتے ہیں ممکن ہے کہ خوبی فنون ہی اس کا سبب ہو اس لئے اکثر درپہ
 کے مضامین اردو میں نظم کر کے دیکھے تو بھی وہ بابت نہ پائی ہا یک بار یہ
 خیال آیا کہ شاید بعینہ کسی فنون کا بحسب اقتضائے ترکیب زبان

متاسب نہ ہوتا ہو اس لئے چھلے کہ اس کے فقط مفہوم کو اپنی زبان میں
 لیا جائے چنانچہ اس خیال کر کے ایک دوسرے کو کئی ترکیب سے اردو
 میں نظم کیا لیکن دل پسند نہ ہوا وہ دہرایہ ہے **۱** مکت تریا
 کان میں کہ نس سدا کیا کیں معنی یہ ہیں کہ موتی عشوق کے کان میں ہمیشہ
 کا پتے رہتے ہیں۔ دوسرا لکڑا یہ ہے۔ ترچی چتون سے ڈریں کہ پھرنہ بید
 جائیں یعنی اس ڈر سے کانٹے ہیں کہ ایسا نہ پھر سیدھ دے جائیں۔
 ممکن ہے کہ کوئی صاحب ایسا دلکش ترجمہ اردو میں نظم کر دیں کہ پوری
 طرح سے مطلب بھی ادا ہوا ویرسی لوج بھی قائم ہے مگر میں نے اس کو یوں
 نظم کیا **۲** موتی تمھارے کان کے تھرا ہے ہیں کیوں۔ فریاد کس غریب
 کی گوش آشنا ہوئی۔ ہمارا مطلب یہ ہے جس کو ہم بار بار کہہ رہے ہیں
 کہ از بسکہ ہماری اردو زبان کی اصل اور ڈھانچ بھانچا کھا ہی نہ کہ فارسی
 وغیرہ جیسا کہ بطور واضح اوپر بیان ہو چکا ہے چاہئے کہ مقتضائے طبعی بھی
 اس زبان کا نسبت فارسی وغیرہ کے زیادہ ہو مگر ہم نے اس ہمانہ سے
 جیسے اس کا نام ریختہ ہوا تمام تر روش اور ترکیب اور مذاق بھی محض
 فارسی ہی کا اختیار کر لیا ہے یہی مذاق مانوس تو ضرور ہے جسے کہ اگر کوئی
 چاہے بھی کہ دفعۃً بھانچا کھا کے مذاق سے کام لے تو چندیکے سب سے سخت
 بھیانک معلوم ہوگا۔ میں نے ہندی اور بھانچا زبان کے بارہ میں یہ
 لکھا ہے کہ ان زبانوں کے دہروں کے آگے اردو کے اشعار صاف بھانچے
 ہیں۔ جو حضرت منصف مزاج اور غور کرنے کے عادی ہیں وہ چھوٹے یہ حکم

لکھا جیتے ہیں کہ بھاکھا زبان کی شاعری میں محشوق کو عورت مانا گیا ہے جو
ایک طبعی امر ہے میں کہتا ہوں کہ اگر اس کی شاعری کے بااثر ہونے کا یہی
سبب ہے تو جس جس مضمون میں محشوق کے مرد و عورت سے کچھ بخت
نہیں کی جاتی اور یہ پتہ نہیں ملتا کہ محشوق مرد ہے یا عورت وہاں
دل کشتی اور جا ذہیت کیوں یاد ہے؟

اصلی یہ ہے کہ بھاکھا کے اکثر الفاظ میں ایسا لوج اور نمک ہوتا ہے
کہ اس کے مقابلہ میں (بہ شرطیکہ اردو بولنے والوں کے لئے محض ہی
اجنبی ہوں) کلام میں ایسا نمک پیدا کر دیتے ہیں کہ بے اختیار دل کو
کھینچ لیتے ہیں مثلاً ملاحظہ ہو کہ بھیا یا بھائی ہر امر مستعمل اور ہندی لفظ
ہو اس کے مقابل میں بیرن ایک اجنبی لفظ ہے مگر گوش آشنا ہے۔
یہ میر انیس نے اپنے ایک مرتبہ میں حضرت علی اکبر کی شہادت کے بعد خمیہ
حرم کی حالتِ نظم کی ہے اس مقام پر کہتے ہیں **بہنیں بھاری تھیں**
کہ بیرن تہہ ہاتھار۔ اب تک تو رت آتے تھے خمیہ میں چند بار۔ اس جگہ اگر
بھیا یا بھائی کا لفظ بیرن کی جگہ رکھا جائے تو وہ دل گرفتگی و نمک پر گزرتی
نہیں رہتا یا مثلاً میر انیس نے بھی بیرن کی جگہ کچھ نظم کر کے مصرع کی دل کشتی
پر بھادی ہے۔ اگلوں میں سے ایک فصیح اللسان نے بھی اس لفظ کو نظم کیا ہے
جب تک اس کے اور اور مصرع اس کے ساتھ نہ گور نہ ہوں اس لفظ کا موقع اور
تک ظاہر ہو گا ملاحظہ ہو **یار و شوق پھول کر شام جو ہونے لگی۔**

آئندوں سے یا تو تب چہرہ کو دھونے لگی۔ پھر وہ مصرعوں کے بعد حضرت بانو کی

زبان سے ادا کیا ہے۔ پنکھ لکھنے سے بھی کے بسیر کیا۔ پر مے پکھولنے ہائے گھر
 میں نہ پھیر کیا۔ ساتھ اس کے ایسے الفاظ کے لانے والے کا ذوق نہایت صحیح
 و سلیم ہونا چاہئے میرا نہیں جس مرثیہ میں سیرن نظم کیا تھا ایسا یا موقع تھا
 کہ نہایت تعریفوں کے ساتھ وہ مرثیہ ہی اس سیرن کے
 لفظ کے ساتھ منسوب ہو گیا برخلاف اس مصرع کے **س** بانو کا یہ نوحہ تھا کہ
 ہر مے دیور۔ حالانکہ کس قدر مستعمل ہے مگر یہ موقع لانے سے سخت ناگوار
 ہوا اور لوگ نقل محفل کرنے لگے۔

غرض میری سمجھ یوں ہے کہ ہمارے شعرا باعتبار زبان نہ تو ایسے ملا صاحبان جہ
 کہ اردو میں ترکیب لغات فارسی عربی کی ایسی بھرمار کر دیں کہ ان زبان
 کے بولنے والے کو اجنب معلوم ہونے سے بے تڑپ ہی مہاراج ہو جائیں کہ سنسکرت
 و بھاشا کے غیر مروج لفظوں کا میل لیکر معمولی باتوں کو شلوک بناویں۔
 اعتدال کو ہر جگہ مد نظر رکھنا چاہئے۔

ایک ضروری امر ان باخبر نکتہ رس فصیح الکلام فصیح التقریب میں شاعر کے
 گوش گزار کرنے کے قابل یہ بھی ہے کہ اگر وہ خیال فرمائیں تو زبان اردو
 کے تنگ ہونے سے اکثر مضامین کا خون ہو جاتا ہے ضرورت اس کی ہے کہ
 اس زبان میں لفاظا آہستہ آہستہ بڑھاتے اور ملاتے جائیں۔ میں دیکھتا ہوں
 کہ سیکڑوں ہی الفاظ ایسے بھی ضحیا بولا کرتے ہیں جن کو نظم میں لائے تو بے چمکتے
 ہیں معمولی شعرا کو یہ جرأت کہاں کہ بے خوف ہو کر اس کو نظم میں داخل کر دیں
 او اس شدید ضرورت کے خیال سے لوم لائٹم کی پروا نہ کریں یا ایک تو میں

ہی ہوں کہ مرتب دیکھتا ہوں کہ اچھے خاصے شرفا اس لفظ کو بولا کرتے ہیں
 چاہے مضمون کو اس کے بدولت ترک بھی کرنا پڑے مگر نظم میں کیوں داخل نہیں
 کرتا اس خیال سے کہ میر زمانہ کے بااثر شعرا تو کہہ دیں۔ یہ بھی صورت معقول
 ہے کہ فرض کیجئے کوئی غیر معمولی شاعر اگر کسی ایسے ہی لفظ کو نظم کہ جائے تو اس کی
 تائید کریں نہ تجویز و تخریر اس ترکیب سے رفتہ رفتہ زبان وسیع ہوتی جائے گی۔
 دوسری بات یہ ہے کہ ہندی و بجا کھا کے منطومات پر غور کریں کہ نسبت
 اردو کے ان میں جا ڈھیت کیوں ہے اس کے لئے سنسکرت و بجا شازبان کے
 سکھنے اور وقت اٹھانے کی بھی چنداں ضرورت نہیں ہے یہی معمولی دور سے
 اور منطومات بجا شازبان ہندی جو بیشتر راج اور گائے بھی جاتے ہیں شری
 رہیں اور وقتاً فوقتاً ان پر غور کریں کہ خود بخود طبائع کو کیوں مرغوب ہوتے
 ہیں اور جتنا سمجھ میں آئے ہیں اتنا لذت ہوتا ہے یہ بات اردو کے شعروں کو
 کم نصیب ہے میں کسی جگہ مفصل لکھ چکا ہوں کہ حقائق و دقائق اخلاق و عشق
 حقیقی کے مضامین جس قدر مجاز کے پرزہ میں تراکیب ہوتے ہیں مضمون ہجاری
 عشق کے شعروں میں لذت کی وہ پائنداری ہوتی ہے نہ اثر اس کا عام ہوتا ہے
 ایسے مضامین جو حقیقی پہلو کے ساتھ مجاز کا لباس پہننے ہوتے ہیں پہلے اہل شہ
 اس کی اصل حقیقت تک پہنچیں نہ پہنچیں مگر روح کو چونکہ باطن اس کے
 ساتھ لگاؤ ضروری ہے چھپے طور سے اثر پہنچا ہے اور جو شعر محض مجازی
 مضمون کے ہوتے ہیں اگر اپنے الفاظ اور معنی سے درست ہوتو یہ بھی اثر
 کرتا ہے مگر تجربہ گواہ ہے کہ اس پہلے شعر کی لذت سے نفس تھکتا نہیں ہے جب جب

پڑھے لطف تازہ ہوا اور اس نیز مضمون والے شعر سے نفس جلد تھک جاتا ہے
اور ظاہر ہے کہ ایسے کلام بے نتیجہ ہوا کرتے ہیں۔

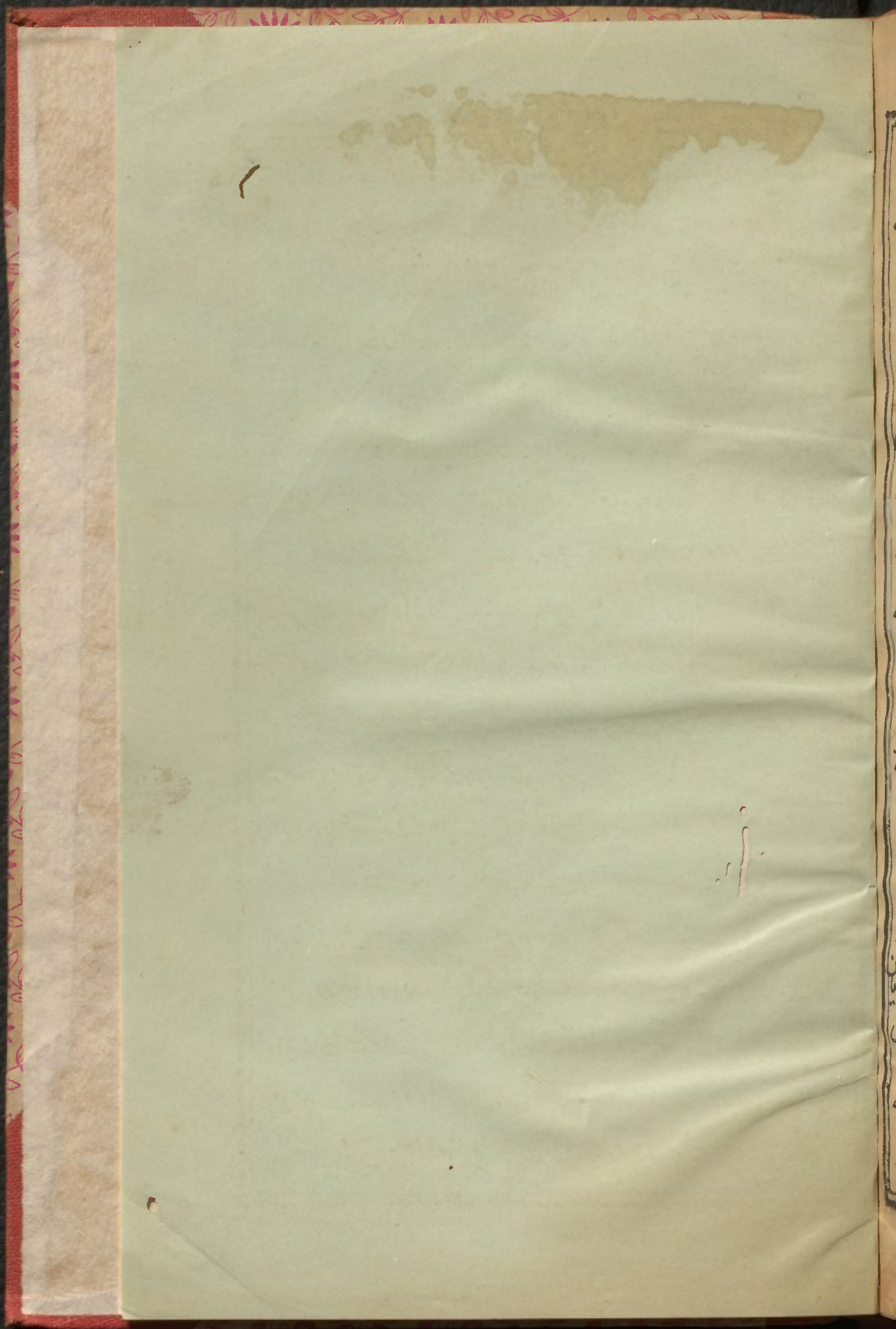
میں نے ہندی دیکھا کھا کے منظومات کے بارہ میں کسی جگہ یہ بھی لکھا ہے کہ اس
زبان کے منظومات نہایت با اثر و حقیقت کا پہلو لئے ہوتے ہیں چنانچہ
میں ذیل میں اس زبان کے چند طرح کے ویسے ہی منظومات نقل کر کے
مذکورہ بالا بیان کی وضاحت کی کوشش کرونگا۔

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ یوں تو ہندوستان کی سر زمین ہی کو اللہ تعالیٰ
نے یہ شرف عطا فرمایا ہے کہ جتنی خوبیاں اور اور ملکوں میں مختلف طرح سے
ہیں وہ سب خوبیاں قریب قریب اس ہندوستان میں جمع ہیں موسم
کی بھی یہی حالت ہے کہ ہر موسم اکثر حصہ ہندوستان میں وہاں کے باشندوں کے
ایک تو موافق اور اگر نہ بھی موافق ہوں تو فوراً دولت سے وہ وہ سامان
مہیا کر لئے جاتے تھے کہ وہی برقلاوت راحت موسم راحت ساں
اور عشرت انگیزین جاتا تھا۔ سب سے پیارا موسم یہاں بہار اور
اس میں بھی ساون کا مہینہ دل آویز ہے کہ پر دہی اپنے اپنے وطن کو
لوٹتے اور داد عیش دیتے ہیں اس موقع کے الگ منظومات ہیں جو موسم
میں گائے جاتے ہیں۔ مثلاً ایک فراق زدہ دلہن اپنے شوہر کے شوق
میں اپنی ہم عمر نند یعنی شوہر کی بہن سے پوچھتی ہے کہ نندی ساون
کب آئیں گے کب آئیں بیرن تہا۔ کیوں کی میری نندی ساون
کب آئے گا۔ اور کھائے بھائی کب آئیں گے۔ اس کے بعد آسانی

ہی کہتی ہے۔ بُوکل سونا نا اُگے سے (اگر سونا پویا جائے تو نہ اُجے گا)
 موتی پھر سے نہیں ڈار (موتی ڈال میں نہیں پھلتے) گیا ہے جو بن پھرنا
 ہو سے (شیاب پھر ملیٹ کر نہیں آتا) مانگے طے نہ ادھار۔ قرض بھی نالگیں
 تو نہیں ملتا۔ اسی کی دوسری آستانی میں معرفت کی طرف توجہ لو اتا ہی
 ہاتھی بندھیں بہت سار۔ گھوٹے بندھیں گھڑ سار۔ سامی جی کو
 یا بندھیں پریم سے کو جوڑے ہیں تجو یعنی ہاتھی قیل خانوں میں یا بندھے
 جاتے ہیں گھوٹے صطیل میں بندھتے ہیں مگر سامی جی (محبوب حقیقی) پریم
 (حجبت سے بندھے جاتے ہیں بہرہ دم ہاتھوں کو جوڑے حضور میں حاضر
 رہنا چاہئے ممکن ہے کہ کوئی صاحب یہ فرمادیں کہ سبحان اللہ ہاتھی اور گھوڑے
 سے محبوب کو مماثل کر دیا ہے لیکن انتہائے شوق و ذوق کے درجہ پر
 پہنچ کر اگر ملاحظہ کریں گے تب سمجھ میں آجئے گا کہ اس تمثیل میں کیسی
 ندرت و لطافت ہے۔ ایک دوسرے ساون میں مفارقت اور انتظام سے
 الگ تائی ہوئی ہیں خوش تماظر آئینہ خطاب کرتی ہے ایک کے ساون سیل
 گھڑی رہو۔ گھڑی رہو تندی کے بھائی یعنی (جب تم نے اس قدر سرتہ
 دکھایا تو) بہتر سی ہے کہ اپنے ہی گھر ہو (پھر یہ طے نہ کہتی ہے) کہ ای نیری
 تند کے بھائی گھڑی رہو یہاں تند کے بھائی کا خطاب خاص بھاگھا
 کی شاعری کا حسن ہے یعنی تم تو قرینہ پتے عزیزوں اور بھائی بہن پر
 اس کو بالکلنا یہ کہتی ہے۔

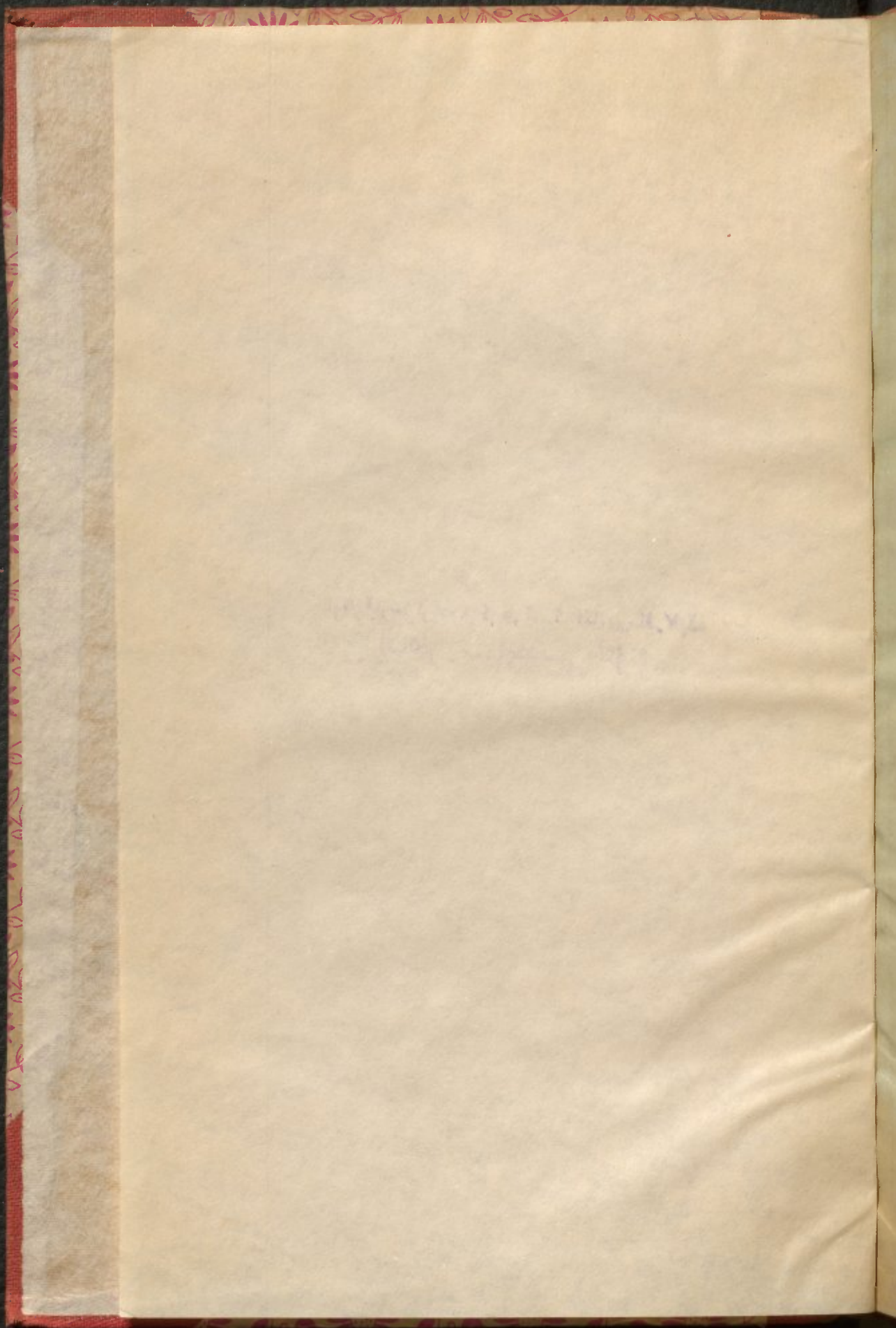
مذکورہ بالا چیزوں کو دیکھ کر بہت سے حضرات تو مضحکہ کریں گے اور ہنسیرے

آئینہ بنا کر وہ ایسا کہہ دیں گے بہتیرے یوں کہیں گے کہ کہاں تو مضامین
 شوخ و فسق و فجور کی طرف سے ہم کو مصنف ہٹاتا ہے اور کہاں پھر ایسے
 نسبت عورتوں کی زبان سے سنا تا ہے کہ خواہی خواہی ایک اشتعال ہو
 تو ان کو اک ذرا انصاف سے غور کرنا چاہئے کہ ان تمام بازاری
 چیزوں میں (اگر ہم اس کو بازاری مان لیں) تو کوئی لفظ کوئی کنایہ بھی
 ایسا نہیں ہے جو مذکورہ بالا اردو کے ان اشعار میں ہو جن میں مٹی کی مٹی
 ہم اچھے نہیں، گھڑی میں اچھا مال سینہ پر باندھ رکھا ہے۔ چھپ چھپ کے
 پھڑپھڑانے سے آنا وغیرہ وغیرہ افرط سے درج ہیں۔ اب سے
 پیچھے پیچھے تازو انداز دل ریا یا نہ یا اور اور جتنے دل کش مضامین لکھے
 گئے ہیں اگر وہ سب بھی ہمارے ممنوعات کے اندر داخل سمجھے جائیں تو
 پھر حسن و عشق اور اس کے تمام دل کش سامانوں ہی پر پانی پھر جا بے نظر غور پھر
 ملاحظہ ہو کہ میں کہتا کیا ہوں میں ہرگز یہ نہیں کہتا کہ حسن کے متعلق جتنے
 سامان یا عشق کے متعلق جتنے لوازمات ہیں وہ سب دانہ کروہ بلکہ یوں ادا کئے
 جائیں کہ مجاز و حقیقت دونوں کے پہلو لئے ہوتے ہوں اور آزاد تمام
 سنجیدہ دل کش و جاذب قلوب ممتین ہو ذرا بھی چھپوے پین کو دخل نہ ہو اور
 فحش اور بیہودہ الفاظ و مضامین سے تمام تر اکراہ رہے نہ ہوں ہی کہ مقنا
 کتاب بڑھتے جاتے ہیں اور طوالت کمال درجہ محل مراد ہوتی ہے اس بار میں
 ابھی بہت سے نو اندازے ہیں جن کا لکھنا جاننا نہایت ضرور تھا۔ حقہ کرے
 میرے بھرا کوئی اہل قلم اس سہی میں اگر میری فریاد و گزارشت کو پورا کرے تو قطع



اور فارسی اور عربی کے ہر قسم کی کتابوں سے کاپی
الناظر بکس ایجنسی - لکھنؤ

۱۱.



اور ہوا قاری اور عربی ہر قسم کی کتابیں ملنے لگتے
الناظر بکس ایجنسی لکھنؤ

